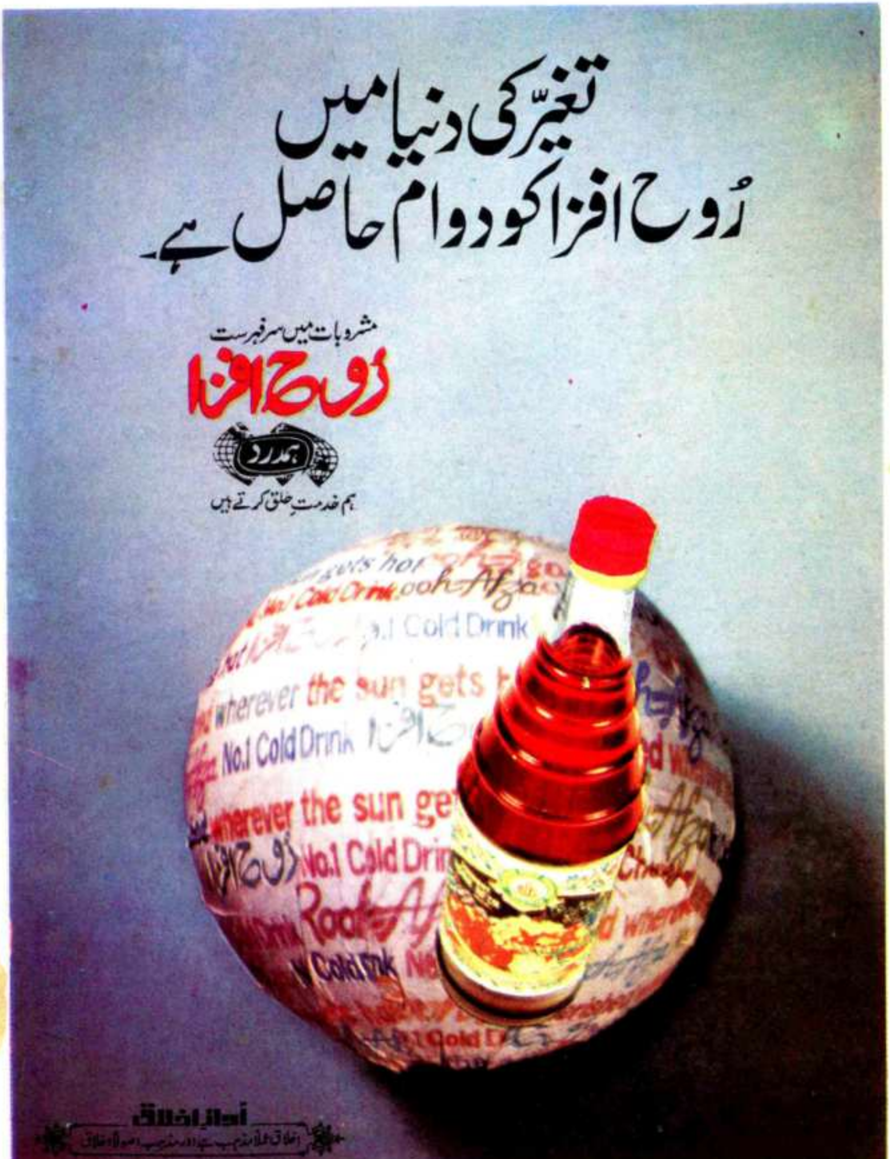

ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال
اپریل ۱۹۸۴ء



تغیّر کی دنیا میں
رُوح افزا کو دوام حاصل ہے۔
مشروبات میں سر فہرست
رُوح افزا
ہمدرد
ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں
wherever the sun gets
No.1 Cold Drink
wherever the sun get

ماہ نامہ
ہمدرد
نونہال

ٹیلی فون : 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)



رجب المرجب ــــ ۱۴۰۴ ہجری
اپریل ــــ ۱۹۸۴ عیسوی
جلد ــــ ۳۲
شمارہ ــــ ۴

قیمت ــــ ۳/۰۰ روپے
سالانہ ــــ ۳۰/۰۰ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶/۰۰ روپے

پتا:
ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحت و مسرت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا کیا ہے

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳
پہلی بات	مسعود احمد برکاتی	۴
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۵
شعروں میں پھول (نظم)	جناب شان الحق حقی	۶
مچھلی کا بیاہ	جناب نادم سیتاپوری	۸
دو مسافر دو ملک	مسعود احمد برکاتی	۱۱
شاعرِ مشرق (نظم)	جناب غنی دہلوی	۱۵
کسان کا چھوٹا بیٹا	جناب ندیم عارفی	۱۶
بچوں کا اقبال	جناب ڈاکٹر محمد عبداللطیف	۲۲
رازداں مجسمے	جناج معراج	۲۷
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۳۷
حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ	......	۴۱
گم شدہ اونٹ اور چار وزیر	......	۴۳
تحفے	باذوق نونہال	۴۵
وسیم باری — اس مہینے کا کھلاڑی		۴۹
دھنک (نظم)	جناب فیض لودھیانوی	۵۳
کارٹون	جناب مشتاق	۵۴
ہمدرد انسائکلو پیڈیا	جناب علی ناصر زیدی	۵۵
وہ اندھا ہو گیا	جناب عبدالمجید قریشی	۵۹
نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۶۳
اخبار نونہال	ننھے صحافی	۶۴
ہوا جس میں ہم زندہ ہیں	جناب علی اسد	۶۷
عارف پہ کیا گزری	جناب مہروز اقبال	۷۰
معلومات عامہ ۲۱۶	ادارہ	۷۷
صحت مند نونہال	ادارہ	۷۹
اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۸۰
مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۱
نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۳
خط ہی خط	نونہال پڑھنے والے	۱۰۱
معلومات عامہ ۲۱۴ کے جوابات	ادارہ	۱۰۷

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱۸ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاگو جگاؤ

علم حاصل کرنے کے کئی ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک ذریعہ سفر بھی ہے۔ علم تجربے سے پختہ ہوتا ہے۔ جو باتیں انسان کتابوں میں پڑھتا ہے وہ اگر خود دیکھ بھی لے تو بہت اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہیں۔ گویا مشاہدہ بھی علم کا ایک حصّہ ہے، اس لیے مطالعے کی طرح مشاہدے سے بھی علم حاصل ہوتا ہے۔ سفر میں نئے نئے مشاہدے ہوتے ہیں۔ نئے نئے لوگوں سے ملنا ہوتا ہے۔ ان لوگوں کے لباس، ان کی زبان، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے، ان کی دل چسپیاں، ان کی فرصت کے مشغلے، ان کے کھیل تماشے۔ یہ سب کچھ مسافر اپنی آنکھوں سے دیکھتا اور سنتا ہے۔ اس کا ذہن وسیع ہوتا ہے۔ مسافر جن جگہوں پر، جن ملکوں اور شہروں میں جاتا ہے اُن کی عمارتیں، ان کے گھر، ان کی سڑکیں، ان کے باغات، ان کے دریا، ان کے جنگل دیکھتا ہے اور بہت سی نئی باتیں سیکھتا ہے۔ سفر سے انسان کا خوف بھی دُور ہوتا ہے۔ اس میں خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔

سفر سے جہاں دوسری قوموں کی خوبیاں معلوم ہوتی ہیں وہاں اپنی خوبیوں کا بھی احساس ہوتا ہے۔ آدمی کے دل میں اپنی قوم کی قدر و عزت بڑھتی ہے اور اس میں آگے بڑھنے، ترقی کرنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے، اسی لیے سفر کو وسیلۂ ظفر کہا جاتا ہے۔ جب تک پھول باغ میں رہتا ہے تو سب پھولوں کے برابر رہتا ہے، لیکن باغ سے نکل کر پھول کی قدر بڑھتی ہے اور وہ گلے میں پہنا جاتا ہے، سَر میں لگایا جاتا ہے۔ یہ سب اس لیے ہوا کہ پھول اپنے گھر سے باہر نکلا، گویا اس نے سفر کیا۔

تمہارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

پہلی بات

مسعود احمد برکاتی

ہمدرد نونہال کی مقبولیت جس تیزی سے بڑھ رہی ہے، اس کی خوشی آپ کو بھی ہے کہ آپ کا رسالہ اتنے لوگ پڑھتے ہیں۔ ہمیں بھی خوشی ہوتی ہے کہ ہماری محنت کام آئی۔ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہمدرد نونہال سب سے اچھا اور سب سے بڑا رسالہ ہونے کے ساتھ ساتھ سب سے سستا بھی ہے۔ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ مہنگائی بڑھتی جارہی ہے۔ ہر چیز کی قیمت میں اضافہ ہو گیا، لیکن اس کے باوجود ہم قیمت نہیں بڑھا رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہے کہ نونہالوں کے پاس پیسے کم ہوتے ہیں اور ہمدرد نونہال شہروں میں ہی نہیں گاؤں میں بھی پڑھا جاتا ہے اور ہمارا مقصد یہ ہے کہ نونہالوں کی معلومات میں اضافہ ہو اور وہ تعلیم میں خوب آگے بڑھیں۔ اس لیے ہمدرد فاؤنڈیشن نونہالوں کی تعلیم کے لیے یہ نقصان برداشت کرتا ہے۔

ہمدرد نونہال میں ہم نونہالوں کی دل چسپی اور معلومات کے لیے نئی نئی چیزیں بڑھاتے رہتے ہیں۔ کھیلوں کے متعلق مضمون نونہال بہت پسند کر رہے ہیں۔ قسط وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" اب ختم ہوا چاہتی ہے۔ ہم اب نئی قسط وار کہانی کی تیاری کر رہے ہیں۔ ہماری کوشش ہے کہ ایسی کہانی دیں کہ مزہ آجائے۔ خاص نمبر کی تیاری بھی کر رہے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہ نمبر بھی خاص الخاص ہو اور ہمدرد نونہال کا نام ہمیشہ کی طرح اونچا رہے۔

اچھا اب ایک خط پڑھیے:

"میں اسکول میں بچوں کو پڑھاتی ہوں اور میری مشکل یہ ہے کہ مہینے کے پہلے ہفتے میں بچوں کے پاس ہمدرد نونہال ہوتا ہے اور جب میں راؤنڈ لگا کر دوسری طرف جاتی ہوں تو بچے ہمدرد نونہال نکال کر پڑھنے لگتے ہیں۔ جب منع کرتی ہوں تو رکھتے ہیں۔ اب آپ بتائیں میں کیا کروں۔" ر۔ی، کراچی

عزیزو! صرف یہ نکتہ یاد رکھو کہ ہر کام وقت پر اچھا ہوتا ہے۔ کلاس میں اُستاد جو پڑھاتے ہیں اُس پر پوری توجہ کرو اور سمجھنے کی کوشش کرو۔ کلاس میں صرف نصاب کی کتاب پڑھو۔ ہمدرد نونہال گھر پر پڑھا کرو۔ کلاس میں پڑھنے سے تمھارا نقصان ہوگا۔ استاد بھی ناراض ہوں گے اور سچی بات یہ ہے کہ ہم بھی خوش نہ ہوں گے۔ ہمارا تو مقصد ہی یہ ہے کہ تم سارے کام وقت پر کرو اور خوب ترقی کرو۔

خیال کے پھول

*** حضور اکرم ﷺ**

جب نیکی تمھیں مسرور کرے اور برائی افسردہ کرے تو تم مومن ہو۔ مرسلہ: آفتاب حسین کھتری، کراچی

*** حضرت علیؓ**

خوش اخلاقی سے پیش آنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

مرسلہ: شہزادی بے بی عفی ناز، کھپرو

*** بطلیموس**

ضروریات کو کم کر لینا سب سے بڑی مال داری ہے۔

مرسلہ: سید مختار حیدر، تلہ گنگ

*** ابنِ زیدون**

دوست کا عیب اس سے چھپانا خیانت ہے اور دوسروں کو بتانا غیبت ہے۔

مرسلہ: رضیہ صابر علی، حیدر آباد

*** علامہ اقبال**

طاقت کا سرچشمہ فراست ہے۔ جب طاقت عقل و دانش کو پس پشت ڈال کر محض اپنی ہی ذات پر بھروسا کر لیتی ہے تو نتیجہ خود طاقت کا زوال ہوتا ہے۔ مرسلہ: ثمرہ نعیم، کراچی

*** افلاطون**

وہ شخص عقل مند نہیں جو دنیاوی لذتوں سے خوش اور مصیبتوں سے پریشان ہے۔

مرسلہ: کامران احمد نعمانی، کراچی

*** جالینوس**

وہ شخص تعریف کا مستحق ہے جو حلم کی قوت سے غضب کی شدّت کو ختم کر دے۔

مرسلہ: سہیل احمد، گجرات

*** الیگزینڈر پوپ**

غصّہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کی غلطیوں کا انتقام اپنے آپ سے لیتے ہیں۔ یہ کتنی حیرت انگیز و مضحکہ خیز بات ہے۔ مرسلہ: صبوحی شمیم کاظمی، کراچی

*** شیکسپیئر**

نافرمان بیٹے کا وجود سانپ کے زہر سے زیادہ مہلک ہوتا ہے۔ مرسلہ: سلیم انور عباسی، کراچی

*** آئن سٹائن**

میں خوش رہتا ہوں، کیوں کہ کسی سے کچھ نہیں مانگتا۔

مرسلہ: لبنیٰ صدیقی، کراچی

*** حکیم محمد سعید**

علم کی محبّت اور اُستاد کی عزّت کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ مرسلہ: ساجد زبیری، کراچی

شعروں میں پھول

شان الحق حقّی

اب سے پہلے آپ کو شعروں میں چھپاکر کچھ مٹھائیاں اور پھر پھل پیش کیے گئے تھے۔ اب کے پھولوں کی باری ہے۔ نیچے دیے ہوئے شعروں میں کچھ پھول چھپے ہیں۔ تلاش کیجیے۔ اگر یہاں نہ مل سکے تو شعروں کے آخر میں مل جائیں گے۔



مرتبے لاکھ لوگ پا جائیں
دیکھو لے کر یہاں سے کیا جائیں

اُونچا رکھنا سبز ہلالی پرچم پاکستان کا
عالم کو دِکھلاؤ جیالو دَم خم پاکستان کا

گو کیچ کا کھٹکا ہو، خطرناک وِکٹ ہو
کہتا ہے یہی جی کہ جو گیند آئے وہ ہٹ ہو

صدقے میں آدھی سلطنت راجا نے جب خیرات کی
رانی نے آنکھیں کھول دیں، ہوش آگیا اور بات کی

جب آئی قلعے کی جانب سے آوازِ بگل آبادی میں
سب چونک پڑے اور مچنے لگی اِک ہَل چَل کل آبادی میں



پوچھے گئے جب دام تو قصّاب یہ بولا
جو مول ہے پایوں کا وہی مول ہری کا

ان کے آنے پہ اُجالا سا ہوا
مرغ بھی اوّلِ شب بول پڑا

اپنی باتوں سے تو حاتم کے پچا لگتے ہیں وہ
وقت پر تم دیکھنا فرماتے کیا لگتے ہیں وہ

یوں تو ہیں شاخوں پر دیکھو کیسے کیسے پھول
میری بھی جھولی میں ہیں کچھ ٹوٹے سوکھے پھول

ہنستے گاتے بے نماز اپنا بھی روزہ ہو گیا
بات گو آدھی بنی، لو فرض پورا ہو گیا

تھوپ کر خود پہ بے تحاشا رنگ
ایسے کرتے ہیں کچھ گنوار سنگھار
جس طرح لے کے نیلا پیلا رنگ
برتنوں کا کرے کمہار سنگھار

نیلا پردا اودی گوٹ اتنی بے میل
اس پر پیلے دھاگوں سے انگور کی بیل

(۱) بیلا (۲) چمپا (۳) گیندا (۴) رات کی رانی (۵) گلاب (۶) مولسری (۷) (گلِ) شبّو
(۸) (گلِ) نافرماں (۹) (گلِ) ٹیسو (۱۰) نیلوفر (۱۱) ہارسنگھار (۱۲) (گلِ) داؤدی۔

مچھلی کا بیاہ

نادم سیالوری

گُڈے اور گڑیا کا بیاہ تو سب نے سُنا ہو گا، مگر مچھلی کا بیاہ شاید ہی کسی نے سُنا ہو۔ پھر آج ہم ایک مچھلی کے بیاہ کی کہانی سُناتے ہیں جس نے ایک امیر آدمی کو تباہی سے بچالیا۔
بابو درگاہی خاں ضلع رائے بریلی (اودھ) کے ایک بڑے زمیں دار تھے۔ جن کے باپ دادا نے غدر میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا۔ اس لیے انگریزوں نے اُن کو "تعلقہ دار" یعنی چھوٹا موٹا راجا بنا دیا تھا۔
جب درگاہی خاں کے باپ مَرے تو یہ بہت چھوٹے تھے، اس لیے اُن کی چھوٹی سی ریاست



"اُونچا ہار" کو سرکار نے اپنے انتظام میں لے لیا، مگر بابو جی کے جوان ہوتے ہی ان کی ریاست اُن کے حوالے کر دی گئی۔

اودھ کے امیروں، نوابوں اور دوسرے تعلقہ داروں کی طرح بابو جی بھی بڑے ہی فضول خرچ اور کھانے اُڑانے والے آدمی تھے۔ بلا محنت کے اتنی بڑی ریاست اور مال تال دیکھتے ہی اُن کی آنکھیں کُھلی کی کُھلی رہ گئیں۔ رُپیہ پانی کی طرح بہنے لگا۔ خود غرض اور مطلبی دوستوں نے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ نئے نئے ٹھاٹ باٹ، ناچ رنگ کی محفلیں اور سیر و شکار سب ہی کچھ شروع ہو گیا۔ بابو جی کو مچھلی کے شکار کا بہت شوق تھا۔ آئے دن گومتی ندی کے کنارے بیٹھے رہتے۔ سارا دن بابو جی دھوپ میں بیٹھے بیٹھے پسینے پسینے ہو جاتے۔ ایک دن یوں ہی مچھلی کے شکار کے لیے ندی کے کنارے گئے ہوئے تھے۔ سارا دن دھوپ میں تپتے گزر گیا۔ کوئی مچھلی بھی ہاتھ نہ آئی۔ بہت پریشان ہوئے۔ آخر شام ہوتے ہوتے ایک بڑی خوب صورت سنہری مچھلی ہاتھ آئی۔ جب محنت و مشقت سے کوئی چیز ملتی ہے تو آدمی اس کی بڑی قدر کرتا ہے۔ یہی حال اس مچھلی کا ہوا۔ بابو جی نے حکم دیا کہ یہ مچھلی زندہ گھر پہنچائی جائے۔ میں اس کا بیاہ کروں گا۔ حکم کی دیر تھی۔ ایک بڑے سے مٹکے میں صاف پانی بھر کر مچھلی ان کے گاؤں پہنچائی گئی اور وہاں ایک چھوٹا سا خوب صورت حوض بنا کر اس میں مچھلی چھوڑ دی گئی۔ اس مچھلی کا دل بہلانے کے لیے اور بہت سی مچھلیاں اس حوض میں ڈال دی گئیں اور مچھلی کے بیاہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

سچّے موتی کے ہار اور سونے چاندی کے بہت سے گہنے مچھلی کے لیے بنوا کر شادی کے خط چھپے۔ لکھنؤ سے بھانڈ بُلوائے گئے اور طرح طرح کے ناچ رنگ کا انتظام کیا گیا۔ دلہن کے لیے ایک دولھا کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ ماہی گیروں نے ایک "مہاشیر" مچھلی دولھا بنانے کے لیے ڈھونڈ لی۔ بیاہ کا دن آیا۔ پاس پڑوس کے ہزاروں چھوٹے بڑے زمیں دار، راجا، نواب اور امیر شادی میں شرکت کے لیے آ پہنچے۔ سیکڑوں طرح کے کھانے پکے۔ رنگ رنگ کے باجے بجے۔ ایک شیشے کی بہت بڑی لگن میں جس پر موتیوں سے گندھا ہوا ہار پڑا تھا مچھلیوں کا یہ جوڑا تیر رہا تھا۔ یہ لگن محفل میں لا کر رکھی گئی۔ ایک جھوٹ موٹ کے مولوی نے آ کر ان کا نکاح پڑھایا اور مبارک سلامت کا غُل مچنے لگا۔

جب دعوت ختم ہوئی تو ناچ رنگ شروع ہو گیا۔ بابو جی اور بہت بڑے بڑے راجے اور

امیر گاؤ تکیوں سے لگے بیٹھے گانا سُن رہے تھے کہ پشاوری پگڑی باندھے ایک خان بابوجی کے پاس آیا۔ اُس نے بھری محفل میں اُن سے اپنے رُپے کا تقاضا کیا۔ بابوجی پر اِس پٹھان کا رُپیہ سچ مچ باقی تھا۔ اس بھری محفل میں تقاضا کر کے اس پٹھان نے ان کی بڑی بے عزّتی کی، لیکن اس بے عزّتی نے بابوجی کی آنکھیں بھی کھول دیں۔ خان کا رُپیہ تو اُسی وقت ادا کر دیا، مگر فوراً ہی ناچ رنگ کی محفل بھی اُٹھا دی گئی۔ سب مچھلیاں اُسی وقت گومتی ندی میں ڈلوا دی گئیں۔ نظر جھپکتے ہی بابوجی پہلے سے نہ رہے۔ تمام امیری کے ٹھاٹ باٹ ختم کر دیے۔ شان و شوکت کی تمام چیزیں بیچ ڈالیں۔ مسخروں اور مصاحبوں کو نکال دیا۔

فضول نوکروں کو جواب دے دیا اور شرعی سادی زندگی بسر کرنے لگے۔ چالیس پچاس سال کی یہ بات ہے۔ بابو درگا ہی خاں جب مرے تو اُن کے خزانے میں لاکھوں رُپے کی تھیلیاں اور چاندی سونے کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ (پیام تعلیم، نئی دہلی کے شکریہ کے ساتھ)

آپ اور آپ کا دوست

اچھے بچے کوئی اچھی چیز پا لیتے ہیں تو اپنے ساتھیوں اور دوستوں کو بھی بتاتے ہیں۔ ہمدرد نونہال اچھے بچّوں کا رسالہ ہے۔ آپ اچھے بچّے ہیں۔ آپ اپنے دوستوں اور ساتھیوں سے بھی ہمدرد نونہال کا تعارف کرائیے۔ آپ اُن کو بتائیے کہ وہ خوب صورت رسالہ ہمدرد نونہال خریدا کریں اور پڑھا کریں۔ اس طرح اچھی اچھی باتیں پھیلیں گی۔ اگر آپ کے کہنے سے کوئی ایک دوست بھی ہمدرد نونہال خریدے تو ہمیں اس کا اور اپنا نام اور پتا لکھ دیجیے تاکہ ہم اس خوشی میں آپ کو اور آپ کے دوست کو "خبر نامہ ہمدرد" بلاقیمت بھیج سکیں جو ایک باتصویر معلوماتی رسالہ ہے۔

خط میں صرف یہ لکھیے کہ میرے جس دوست نے ہمدرد نونہال بازار سے خریدا اس کا اور اپنا پتا لکھ رہا ہوں۔ ہم دونوں کو "خبر نامہ ہمدرد" بھیج دیجیے۔ اس خط میں کوئی اور بات نہ لکھیے۔ آپ کارڈ بھی لکھ سکتے ہیں، لیکن پتے صاف لکھیے۔ شکریہ

دو مسافر دو ملک

حکیم محمد سعید اور مسعود احمد برکاتی کے سفر انگلستان اور فرانس کے تاثرات

مسعود احمد برکاتی

لندن اور پیرس میں ہر دُکان دار قیمتوں کی میزان کیلکولیٹر سے لگاتا ہے۔ مشینوں کی ایجاد نے انسان کو جہاں فائدے اور سہولتیں پہنچائی ہیں وہاں نکما بھی کر دیا ہے۔ ذہن اور جسم سہارے کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ نہ سوچنے کی تکلیف ہو اور نہ ہاتھ پیر چلانے پڑیں۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ چند چیزوں کی قیمتیں جوڑنے میں کیلکولیٹر کچھ زیادہ ہی وقت لے لیتا ہے۔ بعض وقت زبانی حساب جلدی اور آسانی سے ہو جاتا ہے۔ ایک بار لندن میں چھوٹی بڑی کوئی دس بارہ چیزیں لیں تو دُکان دار نے مشین پر انگلیاں چلانی شروع کیں اور میں نے دل میں حساب لگانا شروع کیا۔ دُکان دار نے کہا کہ سولہ پاؤنڈ ہوئے، میں نے کہا" پندرہ پاؤنڈ"۔ اس نے دوبارہ کیلکولیٹر پر حساب کیا اور تسلیم کیا کہ میری میزان صحیح ہے، مگر اب تو ہمارے ہاں بھی کیلکولیٹر عام ہو گئے ہیں۔ دُکانوں کے علاوہ کالجوں میں بھی طالب علم معمولی معمولی سوال اسی سے حل کرتے ہیں۔ امتحان میں بھی کیلکولیٹر ساتھ لے جانے کی اجازت ہو گئی ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ طالب علم جو حسابی طریقہ سیکھتا ہے اس پر عمل کرنے کی پوری مشق اور ذہنی تربیت نہیں ہوتی۔ مشین انسان کو فائدہ بھی پہنچا سکتی ہے اور نقصان بھی۔ جو ملک جتنا زیادہ ترقی یافتہ ہے اتنا ہی وہ مشینوں سے کام لے رہا ہے۔ آئے دن نئی نئی مشینیں ایجاد ہو رہی ہیں۔ یورپ کے ملکوں سے زیادہ امریکا میں مشینوں سے کام لینے کا رواج ہے۔ مشینیں انسان کے ذہن اور علم کی پیداوار ہیں اور ان کا مقصد انسانوں کی محنت کو کم کرنا اور کام میں صفائی اور تیزی پیدا کرنا ہے، مگر ان کے زیادہ استعمال سے بہت سے مسئلے بھی پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ مشینوں نے بہت سے آدمیوں کو بے کار کر دیا ہے اور وہ بے روزگار ہو گئے ہیں۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ انسان محنت کی عادت سے محروم ہوتا جا رہا ہے اور اس کی صحت پر اثر پڑ رہا ہے، کیوں کہ جسمانی مشقت کی ضرورت کم سے کم ہو رہی ہے اور بیٹھے بیٹھے ہی بہت سے کام بٹن دبا کر ہو جاتے ہیں۔ صحت کے لیے محنت و مشقت ضروری ہوتی ہے۔ محنت نہ کرنے سے اخلاقی خرابیاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ محنت ذاتی اور قومی ترقی کے لیے بھی ضروری ہے اور یہ

اخلاقی خوبی ہے۔ محنتی آدمی اعلا اخلاقی صفات کا مالک ہوتا ہے۔ سائنس کی ترقی اور مشینوں کی ایجاد اور رواج سے فائدوں کے ساتھ جو مسئلے پیدا ہوتے ہیں اُن پر بھی غور کرنا چاہیے۔ سائنس سے اس طرح فائدہ اُٹھانا چاہیے کہ تہذیب کو نقصان نہ ہو۔

کہتے ہیں کہ انگلستان جانا ہو تو لندن کے ہوائی اڈّے پر ہی ویزا مل جاتا ہے۔ کوئی اگر اپنے ملک سے ویزا لے کر نہ گیا ہو تو لندن پہنچ کر بھی ویزا بن جاتا ہے۔ یہ ویزا پورے ملک کے لیے ہوتا ہے۔ جب ایک بار ویزا مل گیا تو پھر ملک کے جس شہر جس صوبے میں چاہے جاؤ، کوئی پابندی نہیں ہے۔ ہر ہر شہر کا ویزا لینے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ ویزا میں شہروں کا اندراج نہیں ہوتا۔ یہ طریقہ تو شاید صرف ہندستان اور پاکستان ہی میں ہے کہ ویزا میں جن شہروں کے نام لکھے ہوں، آپ صرف انھی شہروں میں جا سکتے ہیں۔

میں نے لندن اور پیرس جانے سے پہلے ہی ویزا کراچی میں حاصل کر لیا تھا۔ فرانس والوں نے تو مجھے ذاتی طور پر بُلائے بغیر ہمدرد کے نمائندے کو ہی ویزا دے دیا تھا، لیکن برطانوی قونصل خانے نے ذاتی طور پر قونصل جنرل سے ملنے کے لیے بُلایا۔ میں گیا تو بیسیوں سوالات کیے۔ ذاتی قسم کے سوالات بھی کیے، جو عام طور پر مہذّب آدمی سے پہلی ملاقات میں نہیں کیے جاتے، مثلاً کیا کرتے ہیں؟ ہمدرد فاؤنڈیشن میں کب سے کام کرتے ہیں؟ کراچی میں مکان اپنا ہے یا کرائے کا؟ کتنے بچّے ہیں؟ کتنی بار انگلستان جا چکے ہیں؟ وہاں قیام کہاں رہے گا؟ غرض بہت سے ذاتی معاملات بھی پوچھے۔ مجھے اُلجھن ہونے لگی کہ یہ تو پورا کچا چٹھا کُھلوا رہے ہیں۔ ذرا بھی تکلّف نہیں کر رہے۔ میں نے بھی بعض سوالات کے جوابات میں صاف صاف کہا کہ مجھے نہیں معلوم، لیکن انھوں نے ویزا دے دیا۔ میں سوچنے لگا کہ ہمارے ہزاروں پاکستانی بھائی برطانیہ میں ہیں اور ہزاروں روزانہ جاتے رہتے ہیں۔ شاید یہ اس کا اثر ہے۔ کیا ہم پاکستانی کہیں جاتے ہیں تو ایسا اثر چھوڑتے ہیں۔ حکیم صاحب کا ویزا تو برطانوی سفارت خانے والوں نے ہمدرد کے نمائندے کو ہی دے دیا تھا۔

ہم ہندُستان جاتے ہیں تو ہر شہر میں کوتوالی یا تھانے میں پاس پورٹ اور ویزا ساتھ لے جا کر اپنی آمد لکھوانی پڑتی ہے اور جب اس شہر سے روانہ ہوتے ہیں تو اس وقت بھی یہی کام کرنا پڑتا ہے، بلکہ بعض شہروں میں تو پولیس کے مرکزی دفتر اور محلّے کے تھانے میں بھی اندراج کرانا پڑتا ہے اور مسافر کو بہ ذاتِ خود حاضری دینی پڑتی ہے۔ پاکستان میں بھی یہی ہوتا ہے بلکہ یہاں تو جس شخص کے ہاں

کوئی بیرونی مہمان آکر ٹھیرا ہے اس کا بھی شناختی کارڈ دِکھانا پڑتا ہے، لیکن لندن اور پیرس دونوں جگہ ہوائی اڈے پر ہی جو اندراج ہو گیا وہ ہو گیا۔ اس کے بعد کہیں تھانے چوکی جانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اگر انھوں نے اطلاع دی ہوگی تو خود ہی دے دی ہوگی۔

لندن اور پیرس اور سارے یورپ کے ہوائی اڈے بہت عمدہ بنے ہوئے ہیں۔ ہوائی اڈوں کی عمارتیں اس طرح بنی ہوئی ہیں کہ جہاز اُن کے دروازے پر جا کر لگ جاتا ہے۔ عمارت کے دروازے سے ایک لچک دار کوری ڈور (راہداری) لگی ہوتی ہے۔ اس لچک دار راہداری کا دوسرا سرا ہوائی جہاز کے دروازے سے مِلا دیا جاتا ہے۔ مسافر اس راہداری سے گزر کر عمارت کے اندر پہنچ جاتے ہیں۔ گرمی ہو، سردی ہو یا برسات، مسافر کو کچھ پتا نہیں چلتا۔ وہ آرام سے عمارت کے اندر پہنچ جاتا ہے اور وہاں سے شہر چلا جاتا ہے یا کسی دوسرے شہر جانا ہو تو پھر اسی طرح عمارت سے دوسرے ہوائی جہاز میں پہنچ جاتا ہے۔ پاکستان اور ہندُستان میں ابھی تک ہوائی اڈے ایسے نہیں بنے ہیں۔ یہاں تو آپ کو ہوائی جہاز سے سیڑھی کے ذریعے سے پہلے ہوائی میدان میں اُترنا پڑتا ہے، پھر بس میں بیٹھ کر عمارت تک پہنچتے ہیں۔ ہوا، سردی، گرمی اور بارش سب کو بھگتنا پڑتا ہے۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس کے باوجود ایئر پورٹ ٹیکس بھی لگا ہوا ہے کہ کرائے کے علاوہ یہ ٹیکس بھی مسافر کو ادا کرنا پڑتا ہے، لیکن یورپ میں کوئی ایئر پورٹ ٹیکس نہیں ہے اور سہولتیں ساری موجود ہیں۔

انگریزوں کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ ہر خیال اور ہر رائے کے لوگوں کو بڑی فراخ دلی سے برداشت کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں مختلف خیالات رکھنے والے لوگ پناہ لیتے ہیں۔ لندن شہر کی آغوش ہر شخص کے لیے کُھل جاتی ہے۔ اسی لندن میں اشتراکیت کا بانی اور مشہور مفکّر کارل مارکس جا کر کئی برس رہا اور اپنی مشہور انقلابی کتاب سرمایہ (ڈاس کیپٹال) لکھی۔ اس کتاب کا مواد اس نے برٹش میوزیم میں بیٹھ کر جمع کیا تھا۔ آج بھی اس کتاب کے پہلے ایڈیشن کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں رکھا ہے۔ مشہور موسیقار موزارٹ (۱۷۵۶ء تا ۱۷۹۱ء) اوسٹریا میں پیدا ہوا تھا۔ اس نے بچپن سے ہی موسیقی کی دُھنیں بنانا شروع کر دی تھیں۔ موزارٹ لندن میں رہا اور اس نے یہیں بارہ برس کی عمر میں پہلی دُھن بنائی۔

جس دن لندن سے پیرس جانا تھا (۵ ستمبر ۱۹۸۲ء) اُس صبح روانگی کا وقت دیکھنے کے لیے ٹکٹ کھولا تو معلوم ہوا کہ حکیم صاحب کی روانگی کا وقت نو ڈیڑھ بجے دو پہر ہے اور میری روانگی شام چار بجے



پیرس کے سب سے حسین بازار شانزالیزے کی ایک تصویر جو مصنف نے کھینچی۔

ہو گی۔ ارے یہ کیا؟ گویا ہم الگ الگ جائیں گے اور لوگوں کو بار بار تکلیف ہو۔ پیرس پہنچ کر بھی دقت ہو۔ ہمدرد کے نمائندے سے یہ بہت بڑی چوک ہوئی کہ اس نے یہ غور نہیں کیا کہ اتنی ذرا سی بات میں کتنی عملی دقت شامل ہے۔ خیر اسی وقت ٹیلی فون کھڑکائے گئے اور ہوائی اڈے سے رابطہ قائم کر کے درخواست کی گئی تو انھوں نے کہا کہ آپ بھی ہوائی اڈّے حکیم صاحب کے ساتھ ہی پہنچ جائیے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ڈیڑھ بجے جانے والی "ایئر بس" میں آپ کو بھی جگہ دے دیں۔ خیر کچھ اطمینان ہوا، پھر بھی دھڑکا لگا رہا کہ کہیں جگہ نہ ملے۔ بہرحال جگہ مل گئی اور میں حکیم صاحب کے ساتھ ہی ایئر فرانس کی ایئر بس میں بیٹھ کر گھنٹے بھر میں پیرس پہنچ گیا۔

پچھلی رات کو مبارک علی صاحب نے پایوں کی دعوت کی تھی۔ وہ بھی کئی سال سے لندن میں رہتے ہیں۔ دل چسپ آدمی ہیں اور خوب خاطر تواضع کرتے ہیں۔ پیرس روانگی سے پہلے دوپہر کو شبیر حسین صاحب اور ان کی بیگم ڈاکٹر ناز حسین کے ہاں کھانا تھا۔ مزے دار کھانے کے علاوہ ۷۔۸ قسم کی آئس کریم خوب کھائی۔ پھر میں نے تو چائے بھی پی۔ شبیر حسین صاحب خوب چائے پیتے ہیں اور قدح بھر کر پیتے ہیں۔ چناں چہ میری ان کی خوب نبھی۔ حکیم صاحب تو چائے، پان، سگرٹ کسی کو ہاتھ نہیں لگاتے۔

شاعرِ مشرق

غنی دہلوی

پاکستان کا روشن تارا　　شاعر ہے اقبال ہمارا
ملّت کو بیدار کیا ہے　　جینے کا پیغام دیا ہے
سورج بن کر سامنے آیا　　سوئے ہوؤں کو جس نے جگایا
سوچ بھی جس کی قوم کی دولت　　شعر بھی جس کا روحِ ملّت
بول ہیں کتنے پیارے پیارے　　جیسے دل کش چاند ستارے
جس کا تکلّم سوزِ ترنّم　　جس کا تخیّل ماہ و انجم
باتیں جس کی نغمے بن کر　　گونج رہی ہیں اب تو گھر گھر
آزادی کا باغ لگایا　　جس پر ہے رحمت کا سایہ
ملّت کو خود دار بنایا　　لوہے کی دیوار بنایا

دنیا کی تاریخ میں روشن
شاعرِ مشرق تیرا سخن

کسان کا چھوٹا بیٹا

ندیم عارفی

ملک روم میں ایک غریب کسان رہتا تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ کسان کے پاس تھوڑی سی زمین تھی۔ وہ بے چارہ رات دن محنت کرتا، لیکن اس کے باوجود اس کی آمدنی اتنی تھوڑی سی تھی کہ اس کی گزر بسر بہت مشکل سے ہوتی تھی۔

جب کسان کے بیٹے کام کاج کرنے کے قابل ہو گئے تو ایک دن اس نے کہا، "پیارے بیٹو، میں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں اور اب میں زیادہ محنت مشقت نہیں کر سکتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اب تم کام کاج کی تلاش میں نکلو اور اپنا رزق خود پیدا کرو۔"

کسان کے بیٹوں نے محل میں جا کر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے سُنا تھا کہ بادشاہ کے محل کے سامنے سیب کا درخت اُگ آیا ہے۔ یہ درخت روز بہ روز بڑھتا اور پھلتا پھولتا جا رہا تھا۔ اس کی وجہ سے روشنی رُک گئی تھی اور محل میں ہر وقت اندھیرا چھایا رہتا تھا۔ لوگوں نے اس درخت کو کاٹنے کی بہت کوشش کی، لیکن یہ درخت عجیب خاصیت کا تھا۔ اگر اس کی ایک ٹہنی کٹ کر گرتی تو اس کی جگہ دو نکل آتیں۔ درخت بھی اس تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا کہ جیسے یہ تھوڑے ہی دِنوں میں دُور دُور تک جگہ گھیر لے گا۔

بد قسمتی سے جہاں بادشاہ کا محل تعمیر ہوا تھا وہاں کی زمین اتنی سخت ہو گئی کہ وہاں پر کنواں کھودنا بے حد مشکل بلکہ ناممکن ہو گیا۔ بادشاہ نے اعلان کروا دیا کہ اگر کوئی شخص درخت کو جڑ سے کاٹ دے گا اور اس پتھریلی زمین میں کنواں کھود دے گا، اُسے منھ مانگا انعام دیا جائے گا۔

غریب کسان کی خواہش تھی کہ اس کے بیٹے بادشاہ کے محل میں قسمت آزمائی کریں، اس لیے کسان کے تینوں بیٹے محل کی طرف روانہ ہو گئے۔ ابھی وہ تھوڑی دُور گئے تھے کہ گھنا جنگل شروع ہو گیا۔ جنگل کے اندر سے لکڑیاں کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے

کوئی زور زور سے کلہاڑیاں مار مار کر درختوں کو گرا رہا ہو۔
سب سے چھوٹا بھائی یاسر بولا، "ہمیں دیکھنا تو چاہیے کہ کون شخص لکڑیاں کاٹ رہا ہے۔"
منجھلا بھائی ناصر جھنجھلا کر بولا، "ارے کوئی لکڑہارا ہوگا۔ کیا آج تک تم نے کوئی لکڑہارا نہیں دیکھا ہے؟"
بڑا بھائی عامر ہنس کر بولا، "لکڑہارے کی بھی خوب کہی، انھوں نے تو آج تک کلہاڑی بھی نہیں دیکھی ہوگی۔"
یاسر بولا، "بھئی چاہے کچھ بھی ہو، میں ضرور جاؤں گا۔ ہوسکتا ہے کہ میں کسی کی کچھ مدد کرسکوں۔"
عامر اور ناصر تھے بہت آرام طلب اور کاہل۔ وہ دونوں تو گھنے درختوں کی چھاؤں تلے لیٹ کر آرام کرنے لگے۔ یاسر ہمت کا دھنی اور بہت محنتی لڑکا تھا۔ وہ گھنے جنگل میں چلتا رہا۔ آخر وہ ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں ایک کلہاڑی درختوں کو کاٹ کاٹ کر گرا رہی تھی۔ یاسر کو تعجب ہوا۔ اس نے کہا، "آداب عرض ہے بی کلہاڑی، کیسے مزاج تو اچھا ہے تمھارا؟



غریب کسان کے تینوں بیٹے محل کی طرف روانہ ہوگئے

آج اکیلے ہی اکیلے کام میں مصروف ہو گئی ہو؟"

کلہاڑی بولی، "بھیا، میں بہت دنوں تک راہ دیکھتی رہی کہ کوئی اللہ کا بندہ آ کر مجھ سے کام لے، جب مدت دراز تک کوئی نہ آیا تو میں خود ہی کام میں جُٹ گئی۔"

یاسر بولا، "بی کلہاڑی، میں بادشاہ کے محل میں جا رہا ہوں۔ وہاں ایک درخت اُگ آیا ہے جو کسی کے کاٹے نہیں کٹتا۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

کلہاڑی بولی، "اے بھائی، جُگ جُگ جیو۔ تم نے میرے دل کی مراد پوری کر دی ہے۔ بھیا، میں تمھارے ساتھ کیوں نہ چلوں گی؟"

یاسر نے کلہاڑی کو اپنے تھیلے میں رکھا اور وہ اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا۔ یاسر کے دونوں بھائی اس کا مذاق اُڑانے لگے۔

عامر نے کہا، "کیا تم جنگل میں کوئی نئی چیز دیکھ کر آئے ہو؟"

یاسر بولا، "میں نے کوئی نئی چیز تو نہیں دیکھی۔ وہاں صرف ایک کلہاڑی تھی۔"

کچھ دیر کے بعد وہ تینوں اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ چلتے چلتے وہ ایک پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے۔ پہاڑی کے اوپر سے ایسی آوازیں آ رہی تھیں کہ جیسے کوئی کُدال سے پتھر توڑ رہا ہو۔ عامر اور ناصر ایک سایہ دار جگہ میں آرام سے بیٹھ گئے۔

یاسر نے کہا، "پتا نہیں کون اس گرمی میں کُدال چلا رہا ہے۔"

عامر بولا، "ارے کوئی مزدور ہو گا۔ کیا تم نے کسی مزدور کو پتھر توڑتے ہوئے نہیں دیکھا ہے؟"

ناصر نے کہا، "شاید اس نے کبھی کُدال کو بھی نہیں دیکھا ہو گا۔"

یاسر بولا، "بھئی چاہے کچھ بھی ہو میں ضرور جاؤں گا۔ شاید کسی کو میری مدد کی ضرورت ہو۔"

وہ پہاڑی پر چڑھنے لگا۔ راستہ بے حد دشوار گزار تھا، لیکن یاسر ہمت کا دھنی تھا۔ وہ کوشش کر کے پہاڑی کی چوٹی پر پہنچ ہی گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کُدال آپ ہی آپ پتھر توڑ رہی ہے۔ یاسر یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا۔

اس نے کہا، "کہیے بی کُدال، مزاج تو اچھا ہے؟ آج تم اکیلے ہی کام میں مصروف ہو گئی ہو؟"

کُدال بولی، "بھیا، میں بہت مدت تک راہ تکتی رہی کہ کوئی اللہ کا بندہ آئے اور مجھ سے کام لے۔ جب کوئی نہیں آیا تو خود ہی کام میں جُٹ گئی۔"

یاسر بولا، "میں بادشاہ کے محل میں کام کرنے کے لیے جا رہا ہوں۔ وہاں کی زمین بہت پتھریلی اور سخت ہے۔ بی کُدال، کیا تمھیں میرے ساتھ چلنا منظور ہے؟"

کُدال بولی، "بھیّا، جُگ جُگ جیئو۔ تم نے تو میرے دل کی تمنّا پوری کر دی ہے۔ میں ضرور تمھارے ساتھ چلوں گی۔"

یاسر نے کُدال کو اپنے تھیلے میں ڈال لیا۔ پھر وہ اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا۔ وہ اس کا مذاق اُڑانے لگے۔ عامر نے کہا، "تم نے خواہ مخواہ پہاڑی پر چلنے کی تکلیف کی۔ تم تو بہت ہی بے وقوف ہو۔"

وہ تینوں پھر آگے چلے۔ چلتے چلتے وہ ایک چشمے کے کنارے پر پہنچ گئے۔ گرمی اور پیاس سے ان کا بُرا حال تھا۔ وہ پانی پینے لگے۔

یاسر نے کہا، "پتا نہیں یہ چشمہ کہاں سے آ رہا ہے۔"

عامر بولا، "کیا تمھیں اتنا بھی معلوم نہیں کہ چشمے پہاڑوں سے پھوٹتے ہیں۔"

یاسر بولا، "آپ یہاں ٹھیریں، میں یہ دیکھ کر ابھی واپس آتا ہوں۔"



یاسر نے دیکھا کہ ایک اخروٹ سے پانی کے سوتے پھوٹ رہے ہیں

راستہ بہت لمبا تھا اور اس پر چڑھنا بھی بے حد مشکل تھا، لیکن یاسر نے ہمّت نہ ہاری۔ وہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا۔ آخر وہ اس جگہ جا پہنچا جہاں سے چشمہ جاری ہوا تھا۔ یاسر نے دیکھا کہ ایک اخروٹ سے پانی کے سوتے پھوٹ رہے ہیں۔

اس نے کہا، "بھیّا اخروٹ، کیسے مزاج ہیں؟ یہ تمھیں کیا سُوجھی کہ ندی نالے بہانے شروع کر دیے؟"

اخروٹ نے کہا، "میں بہت دِنوں تک انتظار کرتا رہا کہ کوئی ہمّت والا شخص آئے اور پہاڑوں کا سینہ چیر کر چشمہ جاری کرے۔ جب بہت دِنوں تک کوئی نہ آیا تو میں خود ہی چشمہ بہانے لگا۔"

یاسر نے کہا، "میں بادشاہ کے محل میں جا رہا ہوں۔ کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گے؟"

اخروٹ خوش ہو کر بولا، "نیکی اور پوچھ پوچھ۔ بھیّا، میں دِل و جان سے تمھارے ساتھ چلنا پسند کروں گا۔" یاسر نے اخروٹ کے سُوراخ کو بند کر کے اپنے تھیلے میں رکھ لیا۔

جب وہ اپنے بھائیوں کے پاس پہنچا تو انھوں نے اس کا بہت مذاق اُڑایا۔ عامر بولا، "تم بھی کتنے بے وقوف ہو، تم نے پہاڑی چشمہ دیکھنے کے لیے اتنی تکلیف اُٹھائی۔"

یاسر بولا، "آج مجھے معلوم ہو گیا کہ کبھی کبھی اخروٹ سے بھی چشمہ نکلتا ہے۔"

ناصر ہنس کر بولا، "بے وقوف کبھی اخروٹ سے بھی چشمہ نکلتا ہے؟" یاسر چُپ رہا۔

جلد ہی وہ بادشاہ کے محل میں جا پہنچے۔ درخت کو کاٹنے کے لیے بے شمار لوگ آئے، لیکن وہ درخت کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے اور درخت بھی روز بہ روز بڑھتا، پھلتا اور پھولتا جا رہا تھا۔ بادشاہ نے تنگ آکر یہ اعلان کروا دیا کہ جو کوئی درخت کو کاٹ دے گا اُس کی شادی شہزادی نور بن سے کر دی جائے گی اور جو اس مقصد میں کام یاب نہ ہو سکے گا اُسے سخت سزا دی جائے گی۔

پہلے عامر نے درخت کاٹنے کی کوشش کی، لیکن بہت دیر تک کام کرنے کے بعد بھی اسے کوئی کام یابی حاصل نہ ہو سکی۔

پھر ناصر نے درخت پر کلہاڑیوں کی بارش کر دی، لیکن اسے بھی ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔

اب یاسر کی باری تھی۔ وہ بولا، "میں کوشش کر کے دیکھتا ہوں، شاید میں کام یاب ہو جاؤں۔"

ناصر جھنجلا کر بولا، "تمھارا حشر بھی ہم سے مختلف نہیں ہو گا۔"

یاسر نے تھیلے میں سے کلہاڑی نکالی اور کہا، "بی کلہاڑی، اب تم اپنا کام دکھاؤ اور درخت



بادشاہ کی دلی خواہش پوری ہو گئی اور یاسر کو انعام ملا

کو کاٹ کاٹ کر ڈھیر لگا دو۔"

اور کلہاڑی آندھی اور طوفان کی طرح تیزی سے چلنے لگی۔ ذرا سی دیر میں کلہاڑی نے درخت کے پرخچے اُڑا دیے۔ یاسر نے درخت کے ٹکڑے اُٹھائے اور جگہ صاف کر دی۔

پھر اُس نے کُدال سے کہا، "بی کُدال، اب تمھاری باری ہے۔ تم اس سخت پتھریلی جگہ کو کھود کھود کر کنواں بنا دو۔"

کُدال آندھی اور طوفان کی طرح تیزی سے چلنے لگی۔ ذرا سی دیر میں اُس نے پہاڑی کو کھود کر اس میں کنواں بنا دیا۔

پھر یاسر نے اخروٹ کو جیب سے نکالا اور کہا، "میاں اخروٹ، اب تم اپنے دل کا ارمان پورا کرو اور خوب ندی نالے بہاؤ۔" اخروٹ سے چشمہ اُبلنے لگا۔ کنواں اوپر تک بھر گیا اور پھر اس میں سے پانی ندی کی طرح بہنے لگا۔ بادشاہ کی دِلی خواہش پوری ہو گئی تھی۔ اس نے یاسر کو بہت انعام دیا اور شہزادی نورین سے اُس کی شادی کر دی۔

بچّوں کا اقبال

ڈاکٹر محمد عبد اللطیف

ہمارے قومی شاعر علاّمہ اقبال ایک کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے، جو آج سے کوئی ڈھائی سو سال پہلے اسلام لایا۔ یہ لوگ اپنی نیکی اور شرافت کی وجہ سے مشہور اور ممتاز تھے۔ اسلام لانے کے بعد یہ بزرگ بھی دوسرے بے شمار کشمیری خاندانوں کی طرح ہجرت کر کے سیال کوٹ چلے آئے۔ اپنے وطن کشمیر سے علاّمہ بے حد محبّت رکھتے تھے۔

ڈاکٹر اقبال کے والد شیخ نور محمد بڑے نیک اور اللہ والے بزرگ تھے۔ سیال کوٹ میں ان کا چھوٹا سا کاروبار تھا۔ وہ اگر چاہتے تو کاروبار کو بڑھا کر خوب دولت کما سکتے تھے، مگر دنیا کے دھندوں میں ان کا جی نہ لگتا تھا۔ دِل خدا کی طرف اور ہاتھ کام پر لگے رہتے تھے۔ تھوڑی سی آمدنی میں بڑے صبر اور شکر سے زندگی گزار دی۔ آپ کو بزرگوں کی صحبت میں اُٹھنے بیٹھنے اور دین کی باتیں سننے کا شوق تھا۔ اپنی نیکی اور پرہیزگاری کی وجہ سے سارے شہر میں وہ بڑی عزّت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اسلام کی محبّت ان کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ دنیا کے کاموں سے انھیں فرصت کا جو وقت ملتا وہ نیک لوگوں کی صحبت میں گزار دیتے یا پرانے بزرگوں کی کتابوں سے دِل کو نورانی کرتے۔ مولانا رومؒ کی مثنوی کے تو وہ عاشق تھے۔

علاّمہ اقبال کی ماں نہایت دین دار، نیک سیرت اور عبادت گزار عورت تھیں۔ اُن کی پرہیزگاری کا یہ حال تھا کہ جب تک شیخ نور محمد ایک ڈپٹی صاحب کے ہاں ملازم تھے وہ اُن کی تنخواہ سے ایک پائی تک نہ لیتی تھیں، کیوں کہ اُن کے نزدیک ڈپٹی صاحب کی آمدنی کا بڑا حصّہ شرعاً جائز نہ تھا۔ اسی لیے تھوڑی مدت کے بعد شیخ صاحب نے وہ ملازمت چھوڑ دی اور پھر بُرقعوں کی ٹوپیاں سینے لگے اور یوں ساری عمر اپنی دس انگلیوں کی کمائی سے حلال روزی کھائی، یہ نیک بی بی اپنی برادری اور محلّے میں بڑی مقبول تھی۔ ڈاکٹر اقبال شہر سیال کوٹ کے اس گھرانے میں ۱۸۷۷ء میں پیدا ہوئے۔

علاّمہ اقبال کی تربیت ایسے نیک دل باپ کے سایہ اور ایسی پاک سیرت ماں کی گود میں ہوئی جو سچے دین دار تھے۔ دین داری اور رسول اللہؐ کی محبّت اقبال نے اپنے ماں باپ سے ورثہ میں پائی۔ اُن کے ماں باپ نے اُن کی تربیت بالکل اسلامی طریق پر کی۔

آپ کے والد نے پہلے پہل آپ کو مولانا غلام حسن کے ہاں پڑھنے بٹھایا۔ مولانا سید میر حسن بھی اکثر مولانا غلام حسن کے پاس آجایا کرتے تھے۔ ایک دن اقبال کو وہاں دیکھ کر پوچھا کہ یہ کس کا بچّہ ہے؟ جب معلوم ہوا کہ اُن کے دوست شیخ نور محمد کا لڑکا ہے تو مولوی صاحب نے شیخ صاحب سے فرمایا کہ اس بچّے کو یہاں سے اُٹھا کر میرے پاس بھیج دو، اسے میں پڑھاؤں گا۔ چناں چہ اقبال مولانا میر حسن کے سپرد ہو گئے۔ یہ اقبال کی زندگی کا ایک زبردست موڑ تھا۔

مولوی میر حسن بڑے نیک، پاک، لائق اور عالم و فاضل انسان تھے۔ قابلیت اور جوہر کے پرکھ کا بڑا سلیقہ رکھتے تھے۔ انھوں نے شاگرد کی پیشانی ہی سے سب کچھ پڑھ لیا اور پھر اُس کے شوق اور ذہانت سے اندازہ لگا لیا کہ یہ لڑکا آگے چل کر بڑا نام پیدا کرے گا اور اسے بڑی محنت اور دل چسپی سے پڑھانے لگے۔

عربی اور فارسی میں مہارت اور صحیح مذاق مولوی میر حسن کی تعلیم اور صحبت کا نتیجہ تھا۔ مولوی صاحب کے ساتھ اِن کا دلی تعلق عمر بھر رہا۔ ڈاکٹر صاحب کو اپنے استاد کا جس قدر احترام تھا اُس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ انھیں مولوی صاحب کو اپنا کلام سُنانے کی جرأت بھی نہیں ہوتی تھی۔ ایک دفعہ بتایا کہ زندگی بھر میں ان کے سامنے صرف ایک مرتبہ میری زبان سے ایک مصرع نکل گیا وہ بھی محض اتفاق سے۔ ہوا یوں کہ مولوی صاحب کسی کام کے لیے گھر سے نکلے، ایک بچّہ جو اُن کے عزیزوں میں تھا اُن کے ساتھ تھا۔ اس کا نام احسان تھا۔ مولوی صاحب کہنے لگے، "اقبال! اسے گود میں اُٹھا لو۔" میں نے اُسے اُٹھا لیا۔ بچّہ تھا خوب موٹا تازہ۔ کچھ دُور جا کر میں تھک گیا۔ چناں چہ میں نے بچّے کو تو ایک دُکان کے تختے پر کھڑا کر دیا اور خود ذرا سستانے لگا۔ مولوی صاحب اتنے میں بہت آگے نکل گئے تھے، ہمیں ساتھ نہ پا کر اُلٹے پاؤں لوٹے اور قریب آکر فرمایا، "اقبال اس کی برداشت بھی دشواری ہے۔" میری زبان سے بے اختیار نکل گیا، "تیرا احسان بڑا بھاری ہے۔"

مولوی صاحب سے ڈاکٹر صاحب کی عقیدت عمر بھر رہی۔ چناں چہ جب "سر" کا خطاب دیئے

کے سلسلے میں گورنر پنجاب نے ڈاکٹر صاحب کو بُلا کر اُن کی رضامندی معلوم کرنی چاہی تو آپ 'خطاب' کو اس شرط کے ساتھ قبول کرنے پر آمادہ ہوئے کہ اُن کے اُستاد مولوی سید میر حسن کو بھی "شمس العلما" کا خطاب دیا جائے۔ گورنر نے کہا، "اس سے پہلے یہ نام نہیں سُنا۔ اچھا یہ بتائیے انھوں نے کون کون سی کتابیں لکھی ہیں۔" ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا، "انھوں نے کتاب تو کوئی تصنیف نہیں کی، لیکن میں اُن کی "زندہ تصنیف" آپ کے سامنے موجود ہوں، جسے گھر بُلا کر "سر" کا خطاب پیش کیا جا رہا ہے۔" یہ شرط قبول ہوئی۔ گورنر سے رخصت لے کر چند قدم گئے اور پھر لوٹ آئے۔ کہا کہ ایک اور شرط میں بھول گیا ہوں۔ میرے بوڑھے استاد کو یہ سند لینے کے لیے سیال کوٹ سے لاہور آنے کی دعوت نہ دی جائے۔ یہ شرط بھی گورنر نے منظور کر لی۔ اللہ اللہ ڈاکٹر صاحب کتنے فرماں بردار شاگرد تھے۔ اس موقع پر بھی اُستاد کو نہ بھولے۔ اب نہ مولوی میر حسن جیسے اُستاد ہیں اور نہ اقبال جیسے پیارے شاگرد۔

اب دیکھیے اُستاد کو شاگرد کے ساتھ کتنی محبّت تھی۔ ایک بار ڈاکٹر صاحب ایک خطرناک مرض میں مبتلا ہو کر علاج کے لیے دہلی گئے تو اُستاد کو اس قدر تشویش ہوئی کہ ایک خاص آدمی اس غرض کے لیے مقرر کیا کہ وہ روزانہ اسٹیشن پر جا کر اخبار 'انقلاب' لائے اور ڈاکٹر صاحب کی بیماری کے متعلق جو تار شائع ہوں اُن کو پڑھ کر سُنائے۔

بی۔اے میں گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔ یہاں پروفیسر آرنلڈ سے واسطہ پڑا، جو بڑے قابل اُستاد تھے، وہ اقبال سے بڑی محبّت اور شفقت کے ساتھ پیش آتے تھے اور حقیقت تو یہ ہے کہ اقبال نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ اسے علامہ اقبال کی خوش قسمتی سمجھنا چاہیے کہ پہلے انھیں مولوی میر حسن سا اُستاد ملا جس نے اُن کی ذہانت کے جوہر کو خوب چمکایا اور سیدھے راستے پر ڈال دیا۔ اُس کا ساتھ چھوٹا تو آرنلڈ صاحب نے ہاتھ پکڑ لیا۔

بی۔اے کے امتحان میں عربی اور انگریزی میں اوّل آئے اور دو سنہری تمغے حاصل کیے۔ ۱۸۹۹ء میں ایم۔اے کے امتحان میں اوّل آکر پھر سنہری تمغہ حاصل کیا۔ ایم۔اے کے بعد کچھ عرصہ ملازمت کر کے آخر ۱۹۰۵ء میں انگلستان روانہ ہوئے جہاں وہ تین سال رہے۔ ان تین سالوں میں کیمبرج یونی ورسٹی سے فلسفۂ اخلاق کی ڈگری لی۔ لندن سے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا اور جرمنی سے پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگری پائی اور واپس وطن لوٹے۔

اب علامہ اقبال نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنی سوئی ہوئی قوم کو جگانے اور اس بھٹکے ہوئے آہو کو پھر حرم کا راستہ دکھانے کے لیے اپنی شاعری کی ساری قوت خرچ کر دیں گے۔ اب "ہمالہ" اور "نیا شوالہ" جیسی نظمیں لکھنے کا دور گزر چکا تھا۔ ملکی ترانہ لکھنے والے اقبال نے اب اپنے لیے ایک نیا راستہ ڈھونڈ لیا تھا اور وہ بھی ملّی ترانوں کی راہ۔ بچو! نچلے دونوں شعروں کو پڑھو اور خود اندازہ لگاؤ کہ مدینہ و نجف کی خاک کو سُرمہ بنا کر اقبال میں کتنی بڑی تبدیلی آ گئی:

ملّی ترانہ	ملکی ترانہ
چین و عرب ہمارا ہندوستاں ہمارا	سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
مسلم ہیں ہم وطن ہے سارا جہاں ہمارا	ہم بلبلیں ہیں اس کی وہ گلستاں ہمارا

اب اقبال نے اپنی شاعری کا ہر لفظ اسلام اور مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ انگلستان سے لوٹ کر سال ڈیڑھ سال گورنمنٹ کالج لاہور میں پروفیسر رہے، لیکن پھر استعفیٰ دے دیا۔ آپ کے نوکر علی بخش کا بیان ہے کہ جس دن وہ استعفیٰ دے کر آئے۔ میں نے پوچھا، شیخ صاحب آپ نے نوکری کیوں چھوڑ دی۔ کہنے لگے، "علی بخش! انگریز کی نوکری میں بڑی مشکلیں ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنھیں میں مسلمانوں تک پہنچانا چاہتا ہوں، مگر انگریز کا نوکر رہ کر انھیں کُھلم کُھلا نہیں کہہ سکتا۔ اب میں بالکل آزاد ہوں جو چاہوں کروں اور جو چاہوں کہوں شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے اب نکل جائے۔

پھر اقبال نے کہا اور کُھل کر کہا اور جی کھول کر کہا، لیکن اب جو کہنا تھا ساری دنیا کے مسلمانوں کے لیے کہنا تھا۔ فارسی کے سوا کوئی زبان ایسی نہ تھی جس کے ذریعہ سے وہ اپنے خیالات دوسرے ملکوں کے مسلمانوں تک پہنچا سکتے اس لیے اُن کی اکثر کتابیں فارسی میں ہیں اور پھر ایک دنیا نے اقبال کی شاعری کا لوہا مانا۔ یہ زمانہ اقبال کا زمانہ کہلایا۔

۱۹۳۴ء میں وہ عید کی نماز پڑھ کر آئے اور گرم دودھ ڈال کر سوّیاں کھالیں۔ جس سے اُن کی آواز بیٹھ گئی۔ ہزار علاج کیا کوئی فائدہ نہ ہوا اور آواز بیٹھتی چلی گئی۔ کئی سال تک تکلیف رہی۔ دسمبر ۱۹۳۷ء میں طبیعت زیادہ بگڑنے لگی۔ دل کمزور ہو گیا تھا۔ بہت بیمار رہنے لگے۔

اب صاف نظر آ رہا تھا کہ ان کی زندگی کے دن گنتی کے رہ گئے ہیں۔ ۲۰۔ اپریل ۱۹۳۸ء کی شام کو ڈاکٹر مایوس ہو گئے۔ آپ رات تین بجے تک سوئے۔ جب اُٹھے تو طبیعت بے چین تھی۔

۲۱۔اپریل صبح سویرے نور کے تڑکے پاؤں پھیلا دیے۔ اپنے وفادار ملازم علی بخش سے کہا، میرے کندھے ذرا دباؤ۔ پھر آنکھیں اوپر اُٹھائیں اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہا" یا اللہ! یہاں درد ہے"۔ اس کے ساتھ ہی سَر نیچے کی طرف گرنے لگا۔ علی بخش نے سہارا دیا۔ کوٹھی سوا پانچ بجے علّامہ نے آنکھیں بند کر لیں، منہ خود بہ خود قبلہ کی طرف پھر گیا اور وہ اپنے پیدا کرنے والے کے حضور میں سُرخرو حاضر ہو گئے اور بادشاہی مسجد کی سیڑھیوں کی بائیں جانب دفن ہوئے۔

اقبال ہم میں نہیں رہا، لیکن اقبال کے نغموں سے یہ فضائیں آج بھی گونج رہی ہیں۔ اس کا پیام اور کلام قیامت تک مسلمانوں کے دِلوں کو گرماتا رہے گا۔

(جناب ڈاکٹر محمد عبداللطیف صاحب کی کتاب کے کچھ ٹکڑے)

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

پیدائش : ۹۔نومبر ۱۸۷۷ء (مطابق ۳ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ)، سیال کوٹ۔

وفات : ۲۱۔اپریل ۱۹۳۸ء، لاہور۔

تعلیم : پرائمری تا میٹرک، اسکاچ مشن اسکول، سیال کوٹ۔ ایف اے، اسکاچ مشن اسکول، سیال کوٹ۔ بی۔اے، گورنمنٹ کالج، لاہور۔ ایم اے فلسفہ، ۱۸۹۹ء پنجاب یونی ورسٹی۔ کیمبرج یونی ورسٹی، ۱۹۰۵ء (لنکن اِن سے بیرسٹری کی ڈگری پائی۔) میونخ یونی ورسٹی، پی ایچ ڈی۔

کتابیں : فلسفۂ عجم (اصل انگریزی، نثر)، ۱۹۰۸ء لنڈن۔ پیامِ مشرق (فارسی شاعری)، ۱۹۱۲ء۔ مثنوی اسرارِ خودی (فارسی شاعری)، ۱۹۱۵ء۔ مثنوی رموزِ بے خودی (فارسی شاعری)، ۱۹۱۸ء۔ بانگِ درا (اردو شاعری)، ۱۹۲۴ء۔ زبورِ عجم (فارسی شاعری)، ۱۹۲۷ء۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ (اصل انگریزی، نثر)، ۱۹۳۰ء۔ بالِ جبریل (اردو شاعری)، ۱۹۳۵ء۔ ضربِ کلیم (اردو شاعری) ۱۹۳۶ء۔ پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق (فارسی شاعری)، ۱۹۳۶ء۔ ارمغانِ حجاز (اردو و فارسی شاعری)، بعد از وفات ۱۹۳۸ء۔

راز داں مجسّمے

واشنگٹن اروِنگ

معراج

بہت دن گزرے الحمرا کے کھنڈرات میں ایک بہت ہی زندہ دل اور خوش باش شخص رہتا تھا۔ اس کا نام قاسم تھا۔ وہ الحمرا کے باغات کی دیکھ بھال کرتا، پودوں اور پھول دار کیاریوں کو پانی دیتا، جو لوگ ان کھنڈرات کی سیر کے لیے آتے انھیں الحمرا کے بارے میں ضروری باتیں بتایا کرتا۔ جب اس کا کام ختم ہو جاتا تو وہ پتھر کی بنچ پر بیٹھ جاتا اور بربط بجانے لگتا۔ کبھی وہ ایسا مُسرّت انگیز نغمہ چھیڑتا کہ راہ گیر بھی بے خود ہو کر رقص کرنے لگتے۔

قاسم کی بیوی بہت موٹی اور بھدّی عورت تھی۔ اُن کے ایک ہی بیٹی تھی جس کا نام شازیہ تھا۔



قاسم ایسا مسرت انگیز نغمہ چھیڑتا کہ راہ گیر بے خود ہو کر رقص کرنے لگتے

شازیہ اپنے باپ کی طرح بہت ہنس مُکھ زندہ دل اور نیک لڑکی تھی۔ جب قاسم باغات میں کام کرہا ہوتا تو شازیہ اس کے آس پاس کھیل کُود میں مصروف رہتی۔ جب وہ بربط بجاتا تو شازیہ اس کی دُھن پر رقص کرنے لگتی۔

بہار کا موسم آیا۔ لوگ بہار کا جشن منانے کے لیے الحمرا کی پہاڑی پر جمع تھے۔ چودھویں کا چاند پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ پہاڑی کی چوٹی پر لوگوں نے الاؤ روشن کر دیا۔ قاسم نے بربط پہ ایک دل کش نغمہ چھیڑ دیا۔ لوگ سُرور میں آ کر ناچنے لگے۔

اِدھر تو یہ ناچ گانے کی محفل گرم تھی اُدھر شازیہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ الحمرا کے کھنڈرات کی سیر کو چل دی۔ راستے میں شازیہ کو ایک تعویذ ملا، جس پر عجیب طرح کے نقش بنے ہوئے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی اپنے والدین کے پاس پہنچی۔ شازیہ کی ماں نے تعویذ دیکھا تو وہ گھبرا کر بولی، "اری اسے دُور پھینک دو۔ نہ جانے یہ کیسا تعویذ ہے اور اس سے کیا جادو ٹونا وابستہ ہے۔"

ان لوگوں میں ایک بَربَر بھی تھا، جو بہت دِنوں تک مراکش میں رہ چکا تھا۔ اُس نے تعویذ دیکھ کر قاسم سے کہا، "میں افریقہ میں ایسے تعویذ دیکھ چکا ہوں۔ وہاں کے لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ تعویذ ہر قسم کے جادو ٹونے کے اثر سے محفوظ رکھتا ہے۔ جو شخص یہ تعویذ پہنتا ہے، دولت اس کے قدم چومتی ہے اور اسے ہر مقصد میں کام یابی ہوتی ہے۔ میرے دوست، میں تمھیں مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ تمھاری بیٹی بہت خوش قسمت ہے۔"

یہ سُن کر قاسم نے تعویذ شازیہ کے گلے میں ڈال دیا۔ گانے بجانے کی محفل برخاست ہو چکی تھی، لوگ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں بَٹ گئے اور گپ شپ میں مصروف ہو گئے۔ ایک قصّہ گو نے ایک دل چسپ داستان چھیڑ دی۔ اُس نے کہا، "اس پہاڑی کے دامن میں ایک غار ہے جو زمین کی گہرائی میں اُترتا چلا گیا ہے۔ غار کے اندر ایک وسیع تہ خانہ ہے۔ اس میں ایک بوڑھا آدمی سو رہا ہے۔ اس کے سامنے ایک خوب صورت خاتون بَربط بجا رہی ہے۔ اصل میں وہ بوڑھا ایک جادوگر ہے جس نے اس خاتون کو اس غار میں قید کر رکھا ہے۔ اس واقعے کو تین سو سال سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے، لیکن وہ دونوں اس طلسم خانے میں اب تک موجود ہیں۔"

شازیہ کو نیند آ رہی تھی۔ وہ ایک پتھر کی بنچ پر لیٹ کر سو گئی۔ وہ بہت دیر تک سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کُھلی تو اس نے دیکھا کہ ہر طرف گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ذرا دیر پہلے

جو چہل پہل تھی وہ ختم ہو چکی ہے۔ شازیہ نے نام لے لے کر اپنی سہیلیوں کو پکارا اور اپنے ماں باپ کو آوازیں دیں، لیکن اسے کوئی جواب نہیں ملا۔ وہ مایوس ہو کر پہاڑی سے نیچے اتری اور الحمرا کے محل کو جانے والے راستے پر چلنے لگی۔

اسی وقت گھڑیال نے رات کے بارہ بجائے۔ ہر طرف گہرا سکوت چھایا ہوا تھا۔ یوں لگتا تھا کہ جیسے پوری کائنات پر گہری نیند طاری ہے۔ فقط دُور کسی جھرنے کے گرنے کی آواز سُنائی دے رہی تھی۔

اچانک شازیہ کی نظر ایک غار پر پڑی جو زمین کی گہرائی کی طرف جا رہا تھا۔ اُسے داستان گو کی باتیں یاد آگئیں۔ اس نے غار میں جھانک کر دیکھا۔ بہت دُور دھیمی دھیمی روشنی نظر آرہی تھی۔ غار میں جگہ جگہ اگر بتیاں جل رہی تھیں جن سے عنبر اور لوبان کی خوش بُو آرہی تھی۔ آخر وہ ایک وسیع تہ خانے میں جا پہنچی۔ یہ چٹان کو تراش کر بنایا گیا تھا۔ تہ خانے میں ایرانی قالین بچھے ہوئے تھے اور بلّوری فانوس روشن تھے۔ ایک مسہری پر ایک بوڑھا لیٹا ہوا تھا، اس کے سامنے مراکش کی ایک خاتون بربط بجا رہی تھی۔ وہ دونوں کسی جادو کے اثر سے سو رہے تھے۔

مُور خاتون نے پہلو بدلا اور آنکھیں کھول کر اِدھر اُدھر دیکھا۔ اُس نے شازیہ کو دیکھ کر پوچھا، "بیٹی، کیا آج جشنِ بہاراں کی رات ہے؟"

شازیہ بولی، "جی ہاں۔"

مور خاتون بولی، "اس رات کچھ دیر کے لیے جادو کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔ بیٹی، ذرا میرے قریب آؤ اور یہ تعویذ جو تم نے پہنا ہوا ہے میری زنجیروں سے مَس کر دو تو میں کچھ دیر کے لیے آزاد ہو جاؤں گی۔"

یہ کہہ کر خاتون نے اپنی چادر اُٹھا کر ایک سنہری زنجیر دکھائی، جس سے اس کے پاؤں اور گردن بندھی ہوئی تھی۔ شازیہ کو اس خاتون سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔ اس نے اپنے گلے میں پہنا ہوا تعویذ اُتارا اور اُسے زنجیروں سے لگا دیا۔ زنجیریں ایک چھناکے سے ٹوٹ کر فرش پر گر پڑیں۔ اس شور سے جادوگر کی آنکھ کُھل گئی اور وہ آنکھیں مَلنے لگا۔ خاتون نے فوراً بربط بجانا شروع کر دیا۔ جادوگر پھر گہری نیند سو گیا۔

خاتون نے بہت آہستگی سے بربط زمین پر رکھا اور بولی، "میری بچّی، تم میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ تم

نے جو نیکی میرے ساتھ کی ہے اس کے صلے میں، میں تمھیں کچھ انعام دینا چاہتی ہوں۔" شازیہ، خاتون کے پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ وہ دونوں گلی کوچوں سے گزرتی ہوئی ایک محراب دار دروازے کے پاس جا کر ٹھیر گئیں۔ اس پھاٹک کے دونوں طرف پتھر کے دو مجسّمے رکھے ہوئے تھے۔ ایک مجسمے کا سر داہنی طرف اور دوسرے کا بائیں طرف پھرا ہوا تھا اور دونوں کی نظریں محراب کے نیچے ایک جگہ پر جمی ہوئی تھیں۔

خاتون نے کہا، "میں تمھیں ایک راز کی بات بتاتی ہوں۔ یہ مجسّمے ایک مخفیہ خزانے کی طرف دیکھ رہے ہیں جو اس محراب کے اندر دیوار میں چھپا ہوا ہے۔ تم اپنے والد سے کہنا کہ اس جگہ کو کھودے جس پر ان دونوں مجسموں کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔ پھر اسے اتنی دولت حاصل ہوگی کہ وہ غرناطہ کا امیر ترین شخص بن جائے گا۔"

یہ کہہ کر خاتون شازیہ کو باغیچے میں لے گئی۔ اُس نے مہندی کی باڑ سے ایک شاخ توڑی اور اُس کا چھلّا بنا کر شازیہ کے سر پر پہنا دیا اور بولی، "جو کچھ میں نے کہا ہے تم اسے بھول مت جانا۔ یہ



قاسم جواہرات سے بھرے ہوئے مرتبان لے کر تہ خانے سے روانہ ہو گیا۔

چھلّا تمھیں میری باتیں یاد دلائے گا اور اُن کی سچائی کی گواہی دے گا۔"

دُور کسی جگہ سے مرغ کی بانگ سنائی دی اور ایک مدّھم سی کرن مشرقی پہاڑیوں پر تھرتھرانے لگی اور خوش گوار ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آنے لگے۔

خاتون بولی، "اب میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔ مجھے اب محل سرا میں واپس جانا چاہیے۔ جو کچھ میں نے کہا ہے تم اسے یاد رکھنا اور میری نجات کے لیے دُعا کرتی رہنا۔"

شازیہ اپنے گھر پہنچی۔ گھر کا دروازہ کُھلا ہوا تھا۔ اُس نے مہندی کی ٹہنی سے بنایا ہوا چھلّا اپنے تکیے کے نیچے رکھ دیا اور بستر پر لیٹ کر سو گئی۔

صبح کے وقت اس نے اپنے باپ سے گزشتہ رات کا سب ماجرا سُنایا۔

قاسم نے قہقہہ لگا کر کہا، "بیٹی، ضرور تم نے کوئی خواب دیکھا ہو گا۔"

شازیہ کو خاتون کی بات یاد آ گئی۔ اس نے کہا، "ابّو، اس خاتون نے مجھے مہندی کی شاخ کا چھلّا بھی دیا تھا اور کہا تھا کہ یہ میری بات کی سچائی ثابت کر دے گا۔" شازیہ نے اپنے تکیے کے نیچے سے مہندی کی شاخ کا چھلّا نکال کر قاسم کو دکھایا۔ قاسم اسے دیکھ کر حیران رہ گیا، کیوں کہ وہ خالص سونے کا بنا ہوا تھا اور اس کی ہر پتّی نیلم اور زمُرّد کی تھی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ شازیہ سچ کہتی ہے۔ وہ شازیہ کو ساتھ لے کر اُس محراب کے پاس پہنچا جہاں دو مُجسّمے لگے ہوئے تھے۔ دونوں مجسّموں کی نظریں ایک خاص جگہ پر لگی ہوئی تھیں۔ قاسم نے اس خفیہ جگہ پر نشان لگا دیا۔

دن بھر قاسم کے دل میں طرح طرح کے خیال آتے رہے۔ وہ اس بات سے بہت پریشان تھا کہ کوئی اس راز کو معلوم نہ کر لے۔ جب وہ ان مجسموں کے پاس سے گزرتا تو اس کا پارا چڑھ جاتا اور وہ دانت پیس کر کہتا، "تم بول نہیں سکتے، لیکن تم یہی کام اپنی آنکھوں سے لے رہے ہو خدا تمھیں غارت کرے، تم راز کو ظاہر کر کے ہی رہو گے۔"

خدا خدا کر کے دن گزرا تو قاسم نے چین کا سانس لیا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو قاسم اپنی بیٹی شازیہ کو ساتھ لے کر اس محراب میں داخل ہوا۔ وہ دیوار کے اس حصّے کو توڑنے لگا جہاں اُس نے نشان لگایا تھا۔ تھوڑی دیر میں اس نے دیوار میں چوڑا سوراخ کر دیا۔ اسے خفیہ خانہ مل گیا جہاں چینی کے دو مرتبان رکھے ہوئے تھے۔ قاسم نے اُن مرتبانوں کو طاقچے سے نیچے اُتارا۔ یہ مرتبان ہیرے جواہرات اور اشرفیوں سے بھرے ہوئے تھے۔ قاسم دن نکلنے سے پہلے پہلے انھیں اُٹھا کر اپنے

گھر لے گیا۔

قاسم اچانک ہی امیر کبیر بن گیا تھا۔ زندگی میں پہلی دفعہ اس کے دِل میں چور ڈاکوؤں کا دھڑکا لگا۔ اس دن وہ گھر کے دروازوں میں کنڈیاں اور چٹخنیاں لگانے میں مصروف رہا۔ اس کے باوجود بھی وہ رات کو چین اور سکون سے سو نہ سکا۔

دولت اپنے ساتھ بہت سی مصیبتیں لاتی ہے۔ قاسم کی راتوں کی نیند اُڑ گئی، دن کا سکون جاتا رہا۔ اس کے مزاج میں وہ زندہ دلی اور شگفتگی باقی نہیں رہی۔ اب نہ وہ کسی سے ہنسی مذاق کرتا نہ بربط بجاتا اور نہ خوشی کے گیت گاتا۔ آخر کار وہ الحمرا کا سب سے زیادہ قابلِ رحم شخص بن گیا۔ اُس کا یہ حال دیکھ کر اس کے دوست بھی اس کا ساتھ چھوڑ گئے اور وہ بالکل اکیلا رہ گیا۔

قاسم کی بیوی ایک بہت ہی مذہبی قسم کی عورت تھی۔ اس کی عادت تھی کہ وہ ہر بات میں اپنے پیر سے مشورہ لیا کرتی تھی، مگر یہ پیر بہت بڑا جعل ساز اور دھوکا باز شخص تھا۔ وہ لوگوں کے دکھانے کے لیے عبادت کرتا، مگر جب وہ اکیلا ہوتا تو خوب شراب پیتا اور عیش و عشرت میں وقت بسر



سیدھی سادی عورت نے جعلی پیر کو خزانہ دکھا دیا

کرتا۔ وہ لوگوں سے بہت مکر اور فریب سے روپیہ بٹورتا رہتا تھا۔

جب قاسم کی بیوی نے اس نقلی پیر کو خزانہ ملنے کی خبر سنائی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔ اُس نے بہت محبّت سے کہا، "بیٹا، تم مجھے اپنا خزانہ دکھاؤ تاکہ میں اپنی دُعاؤں سے اُسے پاکیزگی بخش دوں۔"

سیدھی سادی عورت نے درویش کو خزانہ دکھا دیا۔ اُس نے جو اتنے بڑے بڑے مرتبان سونے چاندی سے بھرے ہوئے دیکھے تو اس کی آنکھیں لالچ سے چمکنے لگیں۔ اُس نے ایک ہیروں کا ہار اُٹھا کر اپنی جیب میں رکھا اور بولا، "بیٹا، یہ ہار تم فقیروں کی نذر کرو۔ میں آج رات عبادت کروں گا اور دعا مانگوں گا کہ خدا تمھاری دولت کو پاکیزگی بخشے اور اس پر جادو کی جو نحوست ہے وہ دُور ہو جائے۔" وہ نقلی پیر ہیروں کا ہار جیب میں رکھ کر دُعائیں دیتا ہوا چل دیا۔

جب قاسم گھر واپس آیا تو اس کی بیوی نے اُسے سب بات بتائی۔ قاسم بہت ناراض ہوا۔ اس نے کہا، "بے وقوف عورت، تم نے اپنی بے وقوفی سے خزانے کا راز ظاہر کر دیا ہے۔"

لیکن اب پچھتانے سے کیا فائدہ؟ راز تو ظاہر ہو ہی چکا تھا۔ اگلے دن جب قاسم کام پر گیا ہوا تھا، کسی نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور نقلی پیر بہت ہی مسکین صورت بنائے ہوئے گھر میں داخل ہوا۔ اُس نے کہا، "بیٹی، میں کل رات دیر تک عبادت میں مصروف رہا۔ رات کے پچھلے پہر میری آنکھ لگ گئی۔ مجھے خواب میں سائیں ملنگ شاہ کی زیارت ہوئی۔ وہ بہت ناراض دکھائی دیتے تھے۔ انھوں نے کہا ہے کہ میرا مزار ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔ تم قاسم کے گھر جاؤ اور اس سے کچھ روپیہ مزار کی مرمّت کے لیے طلب کرو۔"

قاسم کی بیوی کو یہ بات معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا۔ اس نے اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی نقلی پیر کے حوالے کر دی۔ وہ اسے بہت سی دعائیں دیتا ہوا چلا گیا۔

جب قاسم کو اس عطیے کی خبر ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوا۔ اس نے کہا، "نادان عورت، تم اسی طرح سب دولت لُٹا دو گی اور مجھے پائی پائی کو محتاج کر کے چھوڑو گی۔"

اب نقلی پیر نے گھر دیکھ لیا تھا۔ وہ ہر دوسرے تیسرے دن آجاتا۔ کبھی وہ سائیں جھنڈے شاہ کے نام پر خیرات مانگتا، کبھی ملوکا شاہ کے عرس کا بہانہ کرتا، کبھی شلوکا شاہ کے لنگر کے لیے چندہ جمع کرتا۔ اسی طرح مکر و فریب سے اس نے قاسم کو آدھی دولت سے محروم کر دیا۔ قاسم نے

سوچا کہ جعل ساز پیر کی لوٹ کھسوٹ سے بچنے کا صرف یہ طریقہ ہے کہ باقی بچی ہوئی دولت لے کر رات کے وقت خاموشی سے نکل جائے اور کسی دُور دراز کے علاقے میں جا کر رہائش اختیار کی جائے۔ اُس نے ایک موٹا سا خچّر خریدا اور اسے ایک محراب کے پاس ہی درخت کے سائے میں باندھ دیا۔ جب آدھی رات گزر گئی تو قاسم نے خچّر پر اپنا خزانہ لادا، اپنی بیوی اور شازیہ کو ساتھ لیا اور ایک اندھیری سی گلی میں چل دیا۔

قاسم نے بہت راز داری سے کام لیا تھا، لیکن کسی طرح یہ بات جعلی پیر کو بھی معلوم ہو گئی۔ جب اُس نے دیکھا کہ دولت ہاتھوں سے نکلی جاتی ہے تو اُس نے اس پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔

جب آدھی رات کا گجر بجا اور الحمرا پر ہر طرف گہری خاموشی طاری ہو گئی تو وہ اپنے حجرے سے نکلا اور چھپتا چھپاتا اس جگہ پہنچا جہاں سے قاسم کو گزرنا تھا۔ وہ گلاب اور چنبیلی کی باڑ کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد اسے گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ مکّار پیر دل ہی دل میں ہنسا۔ وہ سمجھا کہ یہ قاسم ہے، لیکن خوش قسمتی سے وہ بہت دیر پہلے وہاں سے جا چکا تھا۔ یہ شیطان تھا جو الحمرا کی سیر کے لیے نکلا تھا۔ جب جعلی پیر کا شکار قریب آ گیا تو وہ جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلا اور چھلانگ مار کر گھوڑے پر سوار ہو گیا۔

وہ زور سے قہقہہ لگا کر بولا، "تم چاہتے تھے کہ دولت کے ساتھ یہاں سے فرار ہو جاؤ؟ کہو اب بازی کس کے ہاتھ رہی؟"

جواب میں شیطان نے ایک خوف ناک قہقہہ لگایا اور بولا، "اوہو، یہ تو ہمارا دوست، پیر ڈبّے شاہ معلوم ہوتا ہے۔ اچھا دوست آج تم میری جگہ الحمرا کی سیر کرو۔"

یہ کہتے ہی شیطان غائب ہو گیا۔ گھوڑے نے جب ایک اجنبی شخص کو اپنے اوپر سوار دیکھا تو وہ اچھلنے کودنے اور دولتّیاں جھاڑنے لگا، پھر وہ پوری تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا پہاڑی سے نیچے اُترا۔ جعلی پیر نے گھوڑے کو روکنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ گڑھے اور کھائیاں پھلانگتا ہوا، ایک چٹان سے دوسری چٹان پر چھلانگیں مارتا ہوا اور جھاڑ جھنکار کو روندتا ہوا چلا جا رہا تھا۔

درختوں کی شاخوں سے ٹکرا ٹکرا کر جعلی پیر کے سر میں گومڑ بن گئے۔ کانٹے دار جھاڑیوں سے

اُلجھ اُلجھ کر اس کے کپڑے تار تار ہو گئے اور جسم پر بے شمار خراشیں آئیں۔ رات بھر گھوڑا ادھر اُدھر دوڑتا رہا۔ جعلی پیر کا جوڑ جوڑ دُکھنے لگا۔ آخر کار مرغ نے بانگ دے کر صبح کی آمد کا اعلان کیا۔ گھوڑے نے دو تین چک پھیریاں کھائیں اور واپس دوڑنے لگا۔ اب ایک اور مصیبت نازل ہوئی۔ نہ معلوم کہاں سے بے شمار کتے گھوڑے کے پیچھے لگ گئے۔ ان کے منھ سے شعلے نکل رہے تھے۔ وہ اُچھل اُچھل کر جُھوٹے اور دھوکے باز پیر کو پھاڑ کھانے کی کوشش کرتے۔ انھیں دیکھ دیکھ کر پیر کی روح فنا ہو جاتی۔

صبح کی پیلی پیلی تھرتھراتی ہوئی کرن افق پر نمودار ہوئی۔ گھوڑے نے اُچھل کر ایک دولتی جھاڑی اور جعلی پیر قلابازیاں کھا کر جھاڑیوں میں جا گرا۔ وہ شیطانی گھوڑا اور جہنمی کتے الحمرا کی ایک سرنگ میں غائب ہو گئے۔

صبح کے وقت ایک کسان نے دھوکے باز پیر کو جھاڑیوں میں پڑا ہوا دیکھا۔ اس کا حال بہت خراب تھا۔ نہ وہ بول سکتا تھا اور نہ ہل جُل سکتا تھا۔ کسان اسے اُٹھا کر اس کی خانقاہ میں لے گیا۔

بہت دن تک پیر بستر پر لیٹا رہا۔ اسے قاسم کی باقی دولت کے ہاتھ سے نکل جانے کا بہت غم تھا۔ جب وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو ایک دن اس نے اپنے بستر کے نیچے سے گڑھا کھود کر وہ تھیلیاں نکالیں جو اس نے قاسم کی بیوی کو دھوکا دے کر حاصل کی تھیں۔ اُس نے ان تھیلیوں کو کھول کر دیکھا۔ وہ یہ دیکھ کر بہت مایوس ہوا کہ اشرفیاں اور ہیرے جواہرات، ریت اور کنکر بن گئے تھے۔ جعلی پیر نے اپنا سر پیٹ لیا۔ وہ زور زور سے چیخنے چلّانے لگا، "ارے میں لُٹ گیا۔ لوگو، میں برباد ہو گیا۔"

"خط ہی خط" کے لیے اس کثرت سے خط آنے لگے ہیں کہ سب کا چھاپنا تو کیا پڑھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ جن نونہالوں کے خط نہیں چھپتے، وہ شکایت کے خط لکھتے ہیں، اس طرح ہماری ڈاک اور بڑھ جاتی ہے، اس لیے آئندہ سے نونہال میں دو مہینے بیچ میں چھوڑ کر خط لکھا کریں۔ مثلاً جن نونہالوں نے مارچ ۸۴ء کے رسالے کے بارے میں خط لکھا ہے، وہ اپریل اور مئی کے رسالے کے متعلق خط نہ لکھیں، بلکہ جون کے رسالے کے بارے میں خط لکھیں۔ ہو سکتا ہے اس طرح باری باری سب کا نمبر آ جائے۔

طبّ کی روشنی میں

سوال و جواب



حکیم محمد سعید

کان سے پیپ بہتی ہے

س : میرے چھوٹے بھائی کی عمر ۱۱ سال ہے۔ اس کے کانوں سے اکثر پیپ بہتی ہے۔ پانچ سال کے مسلسل علاج کے باوجود کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ نسخہ بتا کر شکریہ کا موقع دیں۔

شاہد حسین، کراچی

ج : کان سے پیپ اس طرح مسلسل بہنے کا مطلب یہ ہے کہ کان کا زخم اب کان کی ہڈی تک چلا گیا ہے اور یہ یقیناً اچھی صورت نہیں ہے۔ اس صورتِ حال کے لیے اپریشن تجویز کیا جاتا ہے اور اکثر یہ کام یاب ہوتا ہے، مگر بعض اوقات اس سے بھی فائدہ نہیں ہوتا اور تکلیف باقی رہتی ہے۔

آپ چند دِنوں یہ علاج کر کے دیکھ لیجیے:

صبح و شب خمیرہ نزلی جواہر دار ۳۔۳ گرام ۱۵۔۲۰ دن کھلائیے۔ کانوں میں "روغنِ گوش سرخ" کسی دواخانے سے لے کر رات کو ڈالیے۔

سر لمبوترا ہے

س : میرا سر لمبوترا اور انڈے کی طرح ہے، جس کے باعث میں احساسِ کم تری کا شکار ہوں۔ کوئی ایسا طریقہ بتائیے کہ میں ٹھیک اور خوب صورت ہو جاؤں۔ ناصر خاں، کراچی

ج : یہ صورت قابلِ اصلاح نہیں ہوتی۔ اب آپ اسے بھول جائیے۔ ہاں شاید آپ اچھی ٹوپی پہن کر اس کی خرابی کو چھپا سکتے ہیں۔ سمجھ داری کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس کے بارے میں سوچنا

چھوڑ دیجیے اور اپنی صلاحیتیں بڑھائیے اور اپنی باتوں میں دل چسپی اور کشش پیدا کیجیے۔ ان خوبیوں پر جب لوگوں کی توجہ ہوگی تو وہ آپ کی ظاہری حالت کو بھول جائیں گے۔

خشک کھانسی

س: میری بہن کو چھے ماہ سے خشک کھانسی ہے۔ بہت علاج کرایا، مگر فائدہ نہیں ہوا۔ اب آپ ہی کوئی علاج بتادیں۔ محمد ناصر، حیدر آباد

ج: گیہوں کی بھوسی کا جوشاندہ ایسی اکثر حالتوں میں فائدہ مند ہوتا ہے۔ موٹا پسا ہوا آٹا باریک چھلنی سے چھان لیجیے۔ اس میں جو بھوسی نکلے اُس کا ایک چمچہ لیں اور پانی میں اُس کو چائے کے انداز پر جوش دیں۔ اس میں ذرا سا میٹھا ملا سکتے ہیں۔ صبح یہ نہار منھ پیئیں۔ خشک کھانسی کے لیے فائدہ مند ہے۔ اس کے ساتھ ہی رات کو ۱۲ گرام لعوقِ سپستاں گرم پانی میں ملا کر پی لیا کریں۔

بچپن میں سفید بال

س: میرے چھوٹے بھائی کی عمر ساڑھے تین سال ہے۔ اس کے سَر کے بال سفید ہو رہے ہیں، وہ بالکل تن درست ہے۔ کوئی ایسا علاج بتائیے کہ اس کے سَر کے بال بالکل فطری رنگ کے ہو جائیں۔ شازیہ اصغر علی، لاہور

ج: سائنس اب تک یہ دریافت نہیں کر سکی ہے کہ آخر جسم میں کیا تبدیلی آتی ہے کہ کالے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ جب تک ماہرین اس حقیقت تک نہ پہنچ جائیں کوئی علاج بھی دریافت نہیں ہو سکتا۔

آملے کا مُربّا شہرت رکھتا ہے۔ ایک تولہ (۱۲ گرام) یہ مُربّا چھوٹے بھائی کو صبح روزانہ مہینوں تک کھلائیے۔ شاید بال سفید ہونا بند ہو جائیں۔

کمر میں درد رہتا

س: میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میری کمر میں درد اور سر میں چکر رہتا ہے۔ جسمانی لحاظ سے بہت کم زور ہوں۔ علاج بتائیے۔ شیر بہادر افغانی، کراچی

ج: آپ شیر ہیں، بہادر ہیں اور افغانی ہیں! بھائی، پھر دردِ کمر کا کیا کام۔ شیروں اور بہادروں کے بھی کمر میں کبھی درد ہوا ہے! بہتر ہے کہ آپ جہاد کے لیے چلے جائیے۔ ہم بھی دیکھیں کہ کیسے کمر کا درد باقی رہتا ہے۔ کمر کا درد آرام طلبی کی علامت ہے۔ اس کا علاج محنت اور جفاکشی سے

کرنا چاہیے۔

چہرے پر سفید نشان

س: میری عمر ساڑھے تیرہ سال ہے۔ میرے چہرے پر بہت سارے سفید نشانات ہیں۔ بہت سے ڈاکٹروں کو دکھایا اور بہت سی گولیاں کھائیں، لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ مہربانی کر کے آپ اس کا کوئی علاج بتائیں۔ آصف ہاشمی، اسلام آباد

ج: یقینی طور پر آپ کی آنتوں میں بڑے کیڑے ہیں۔ کسی اچھے معالج کے مشورے سے کیڑے مار دوا کا استعمال کریجیے، تاکہ آنتیں صاف ہو جائیں۔ اس کے بعد اس کا خیال رکھیں کہ آپ زیادہ میٹھا نہ کھائیں اور یہ کہ گرم کھانا کھا کر ٹھنڈا پانی نہ پئیں۔ ہضم کی درستی کے لیے کھانے کے بعد چند دن کوئی چورن (حبِ کبد نوشادری وغیرہ) استعمال کریجیے۔

آنکھیں کم زور ہیں

س: میری عمر پندرہ سال ہے۔ میری آنکھیں کچھ کم زور ہیں اور ان کا نمبر نفی صفر اعشاریہ تیس (۰.۳۰-) ہے۔ میں پائلٹ بننا چاہتا ہوں، جس کے لیے آنکھ بالکل تیز ہونی چاہیے۔ براہِ مہربانی کوئی غذا بتائیے، جس کے کھانے سے میری آنکھیں بالکل صحیح ہو جائیں۔ ناصر احمد، کراچی

ج: آنکھوں کی یہ کم زوری زیادہ تشویش ناک نہیں ہے۔ پھر بھی آپ اس قدر کم زوری کی وجہ سے پاکستان ایئر فورس میں پائلٹ کی حیثیت سے بھرتی نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ہاں گاجریں خوب ملتی ہیں۔ گاجروں کا رس (جوس) بینائی کے لیے ایک بہترین غذا ہے۔ ایک سیر گاجروں کا رس نکال کر روزانہ مہینے دو مہینے پی ڈالیے۔

پسینا بہت آتا ہے

س: مجھے پسینا بہت آتا ہے۔ میں جب لکھنے بیٹھتی ہوں تو پسینے سے سارا کاغذ بھیگ جاتا ہے۔ آپ اس سلسلے میں میری مدد کریں۔ حمیدہ سمیع خانزادہ، نوشہرہ فیروز

ج: شاید آپ یہ کہنا چاہتی ہیں کہ آپ کے ہاتھوں میں پسینا آتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یہ اس کی علامت ہو سکتی ہے کہ آپ کسی ذہنی دباؤ یا تناؤ کی کیفیت سے دوچار ہیں۔ یعنی آپ پر گھبراہٹ طاری ہو یا کوئی پریشانی ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ صورت پیدائشی ہو اور ہاتھوں کی جلد میں پسینے کی گلٹیاں متحرک ہوں۔ میں اس پیدائشی کیفیت کا کوئی حتمی علاج تجویز نہیں کر سکتا۔ ویسے بیگن کا

پانی یا چائے کی پکی ہوئی پتیوں کا ہاتھ میں رات کو لگانا فائدہ دے سکتا ہے۔

آنکھوں میں پانی آجاتا ہے

س: جب بھی پڑھتی ہوں آنکھوں میں پانی آجاتا ہے اور درد ہوتا ہے، حال آنکہ میں صرف دو گھنٹے مطالعہ کرتی ہوں۔ کوئی علاج بتائیے؟ عفت رانی صبا، مظفر گڑھ

ج: کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ آنکھوں میں روہے پیدا ہو گئے ہوں؟ اچھا تو یہ ہے کہ آنکھوں کے کسی ماہر سے آنکھوں کا معائنہ کرا لیا جائے۔ یہ صورت آنکھوں کی کسی کم زوری کی وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ دماغی کم زوری بھی اس کا سبب ہو سکتی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جب آپ مطالعہ کرتی ہیں تو روشنی کافی نہ ہوتی ہو۔ سب چیزوں پر غور کر لینا چاہیے۔ ایک مفید تدبیر یہ ہے کہ روزانہ صبح اور رات ٹھنڈے صاف پانی کے چھپکے آنکھوں میں مارے جائیں۔ اس سے آنکھوں کو بڑا فائدہ ہوتا ہے۔

نیند میں بولنا

س: میری عمر تیرہ سال ہے، میں دن کو جو کام کرتا ہوں رات کو نیند میں بتاتا رہتا ہوں، صبح گھر والے کہتے ہیں تم رات بھر بولتے رہتے ہو، مجھے ان کی بات پر یقین نہیں تھا، ایک دفعہ انھوں نے میری باتیں رکارڈ کر لیں، آپ مجھے اس کا کوئی علاج بتائیے۔ زاہد حسین ندیم، میلسی

ج: یہ تو بڑی خطرناک بات ہوئی، اس طرح تو آپ کے سارے راز افشاں ہو جائیں گے۔ اس کا تو کچھ علاج کرنا ہی پڑے گا۔ مزہ تو یہ ہے کہ انسان ایسے کام کرے کہ کوئی راز ہی نہ ہو۔ زندگی کھلی کتاب ہو۔ ایسے لوگ کہ جو صاف ستھرے ہوتے ہیں ان کا کوئی راز نہیں ہوتا اور وہ بڑی چین کی زندگی گزارتے ہیں۔

آپ کا دماغ کم زور ہے۔ اس کا علاج مغز بادام شیریں سے کرنا چاہیے۔ رات کو ۱۵ دانے بادام پانی میں بھگو دیں۔ صبح خوب چبا کر یا خوب باریک پیس کر دودھ میں ملا کر پیجیے۔ اگر یہ مشکل ہو تو ہمدرد کی "سومینا" لے لیجیے۔ اس کا ایک چمچہ صبح یا رات دودھ یا پانی میں ملا کر پینا شروع کر دیجیے۔



حضرت علیؓ کا ایک فیصلہ

ایک شخص زر بن حُبیش نے بیان کیا ہے کہ دو شخص کھانا کھانے لگے۔ایک کے پاس پانچ روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ اتنے میں ایک اور شخص آ گیا تو انھوں نے اِسے بھی کھانے میں شریک کر لیا۔ کھانے کے خاتمے پر تیسرے شخص نے انھیں آٹھ درہم اپنے کھانے کی قیمت دے دی۔

اب ان دو آدمیوں میں اس رقم کی تقسیم پر جھگڑا شروع ہوا۔جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اُس نے اپنے ساتھی سے کہا کہ آپ کی تین روٹیاں تھیں، اس لیے تین درہم آپ کا حق بنتا ہے، لیکن وہ اس بات پر اَڑ گیا کہ میرا حق نصف بنتا ہے۔

وہ یہ مقدمہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، کے پاس لے گئے۔حضرت علیؓ نے تین روٹیوں والے سے فرمایا کہ آپ کا ساتھی آپ کو تین درہم دے رہا ہے، آپ لے لیں۔اس نے کہا، "امیرالمومنین، میں اس پر راضی نہیں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر آپ تین درہم لینے پر راضی نہیں تو انصاف کی رو سے آپ کا حق صرف ایک درہم ہے۔اس شخص نے کہا، "امیرالمومنین، وہ کیسے؟" حضرت علیؓ نے فرمایا:

"دیکھیے، اگر آپ کی تین روٹیوں کے تین تین حصّے کیے جائیں تو نو حصّے بنتے ہیں اور اگر آپ کے ساتھی کی پانچ روٹیوں کے بھی تین تین حصّے کیے جائیں تو پندرہ حصّے بنتے ہیں۔یہ سب مِل کر چوبیس حصّے بنے جو آپ تینوں نے مِل کر کھائے۔گویا ہر آدمی نے آٹھ حصّے کھائے۔آپ نے اپنے نو حصّوں میں سے آٹھ حصّے تو خود کھا لیے اور ایک حصّہ تیسرے شخص نے کھایا۔آپ کے ساتھی نے اپنے پندرہ حصّوں میں آٹھ حصّے تو خود کھائے اور سات حصّے تیسرے شخص نے کھائے۔اس حساب سے آپ کا حصّہ ایک درہم بنتا ہے اور سات درہم آپ کے ساتھی کے حصّے میں آتے ہیں۔"

اس شخص نے کہا، "امیرالمومنین، اب میری تسلی ہو گئی ہے۔"


mayfair
a sweet favourite
mayfair
Milk Bon Bon
Sweets and Toffees

Adarts

گمشدہ اونٹ اور چار وزیر

بہت دنوں کی بات ہے کہ ایک بادشاہ تھا۔ اس کا نام تھا الاکیسا۔ اس کے پاس بے انتہا دولت تھی۔ لوگ بڑے خوش حال تھے۔ ہر طرف امن و سکون تھا۔ شیر بکری ایک ہی گھاٹ پر پانی پیتے تھے۔ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہوتا تھا۔ بارش بھی اپنے وقت پر ہوتی تھی، لہٰذا اناج کی فراوانی تھی۔

اسی جگہ ایک دولت مند تاجر رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے اس کا اونٹ کھو گیا۔ تاجر اپنے اونٹ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اتنی دُور نکل گیا کہ ایک دوسرے شہر میں پہنچ گیا۔ اس شہر کا بادشاہ دوسرا تھا۔ اس کے چار وزیر کسی وجہ سے ناراض ہو گئے اور دربار چھوڑ کر شہر سے چل پڑے۔ راستے میں انھیں ایک اونٹ کے پیروں کے نشانات دکھائی دیے۔ ہر ایک نے ان نشانات کو دیکھ کر اپنی اپنی رائے دی۔ اتنے میں ان چاروں کی مڈبھیڑ اُسی تاجر سے ہو گئی، جو اپنے اونٹ کو تلاش کر رہا تھا۔

تاجر نے ان سے کہا، "آپ لوگوں نے راستے میں کوئی اونٹ تو نہیں دیکھا؟"

اس پر ایک وزیر بولا، "کیا اس اونٹ کی ایک ٹانگ میں لنگ تھا؟"

"جی ہاں۔" تاجر بولا۔

اتنے میں دوسرے وزیر نے کہا، "کیا اس کی ایک آنکھ بھی خراب تھی؟"

"جی ہاں۔" تاجر بولا۔

اتنے میں تیسرا وزیر بولا، "کیا اس کی دُم بہت چھوٹی تھی؟"

"جی ہاں، جی ہاں، کیا آپ نے اسے دیکھا ہے؟" تاجر نے بے تاب ہو کر کہا۔

اتنے میں چوتھا وزیر بولا، "کیا اس کا پیٹ بھی خراب تھا؟"

"جی ہاں، جی ہاں، مگر اب وہ ہے کہاں؟" تاجر نے پوچھا۔

اس پر پہلا وزیر بولا، "ہم نے اسے دیکھا تو نہیں، لیکن ہم نے اس کے قدموں کے نشانات دیکھے ہیں۔"

تاجر نے جھنجھلا کر کہا، "کیا مطلب ہے آپ کا؟ ذرا اس کی وضاحت کیجیے۔"

اس پر ایک وزیر بولا، "ہم تم کو یہ تو بتا نہیں سکتے کہ وہ کہاں ہے۔ ہم لوگ بادشاہ الالکیسا کے پاس جا رہے ہیں۔ اگر تم ہمارے ساتھ چلو تو ہم تم کو اپنی معلومات کے بارے میں بتا دیں گے۔"

چناں چہ تاجر ان لوگوں کے ساتھ چلا گیا اور وہاں جا کر اس نے بادشاہ سے شکایت کی کہ ان چاروں نے اس کا اونٹ چُرا لیا ہے اور کہیں چھپا دیا ہے۔ بادشاہ نے سوچا کہ یہ لوگ جب اونٹ کے بارے میں اتنی باتیں صحیح صحیح بتا رہے ہیں تو پھر یقیناً یہ جانتے ہوں گے کہ اونٹ کہاں ہے۔ اس نے کہا:

"تم لوگ سچ سچ بتاؤ کہ بات کیا ہے۔ اگر ذرا بھی جھوٹ بولے تو پھر میں تم کو سزا دوں گا۔"

یہ سُن کر پہلا وزیر بولا، "میں نے پہلی بار اونٹ کے قدموں کے نشانات جو دیکھے تو میں نے یہ دیکھا کہ اس کے ایک پیر کے نشانات درست نہیں ہیں۔ لہٰذا میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اونٹ لنگڑا ہے۔"

یہ سُن کر بادشاہ بولا، "ٹھیک ہے۔" پھر اس نے دوسرے وزیر سے کہا کہ اب تم بتاؤ۔ دوسرا وزیر بولا، "میں نے یہ دیکھا کہ سڑک کے بائیں جانب کے درختوں کی پتیاں نوچی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس سے میں نے یہ سمجھ لیا کہ اونٹ کی داہنی آنکھ خراب ہے۔"

اس کے بعد تیسرا وزیر بولا، "میں نے یہ دیکھا کہ سڑک پر خُون کے قطرے پڑے ہوئے ہیں۔ اس سے میں نے یہ سمجھا کہ یہ مکھیوں کے کاٹنے کی وجہ سے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اُونٹ کی دُم بہت چھوٹی ہے اور وہ اپنی دُم سے مکھیوں کو نہیں اُڑا سکتا۔"

اس کے بعد چوتھا وزیر بولا، "میں نے یہ دیکھا کہ اونٹ کے اگلے پیر تو زمین پر ٹھیک سے پڑتے ہوئے نظر آتے ہیں، لیکن پچھلے پیر زمین کو برائے نام ہی چھوتے ہیں، لہٰذا میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ پیٹ کے درد کی وجہ سے اونٹ پچھلے پیروں کو ٹھیک سے زمین پر نہیں رکھ پاتا۔"

بادشاہ نے جب یہ وضاحت سُنی تو وہ ان چاروں آدمیوں کی ذہانت کا قائل ہو گیا اور بولا، "بہت خوب! بہت خوب! اب میں اس معاملے کا فیصلہ یہ کرتا ہوں کہ تاجر کو تو اس کے اونٹ کا معاوضہ دیے دیتا ہوں اور تم چاروں آدمی میرے پاس رہو اور میرے مشیر بن جاؤ، کیوں کہ ہمیں تمھارے جیسے ذہین آدمیوں کی بے حد ضرورت ہے۔"

لہٰذا وہ لوگ اس بادشاہ کے پاس رہنے لگے اور اس کے وزیر بن گئے۔

تحفے

مسکراتے جملے ــــ عظیم اقوال ــــ انوکھے نکتے ــــ دِل چسپ تحریریں

استاد کی عظمت

مرسلہ: ہُما اختر، لاڑکانہ

سکندر سے کسی نے پوچھا، آپ اُستاد کو باپ پر کیوں ترجیح دیتے ہیں؟ جواب دیا کہ اس لیے کہ باپ تو مجھے آسمان سے زمین پر لایا اور میرا اُستاد ارسطو مجھے زمین سے آسمان پر لے گیا۔

خوش قسمت

مرسلہ: حنا اختر، لاڑکانہ

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو سوچتے ہی رہتے ہیں اور کرتے کچھ نہیں۔ اُن سے کچھ نہیں بن پاتا۔ دوسرے وہ جو اناپ شناپ بلا سوچے سمجھے ہر طرف ہاتھ مارتے ہیں اور ہر طرف سے منھ کی کھاتے ہیں۔ تیسرے وہ جو سوچتے بھی ہیں اور کرتے بھی جاتے ہیں۔ یہی خوش قسمت آخر مٹی کو سونا بنا لیتے ہیں۔

اللہ ہی اللہ

مرسلہ: طارق سعید، صوبڑہ سکیٹر

جب کہا جاتا ہے کیا حضرت تشریف لائیں گے؟ تو جواب میں کہتے ہیں اِن شاء اللہ۔ دُکھ درد میں پکارا جاتا ہے ہائے اللہ۔ کام شروع کرتے وقت پڑھتے ہیں بسم اللہ۔ اگر تعریف کرنی ہو تو کہا جاتا ہے سبحان اللہ۔ کسی نے مدد کی تو کہتے ہیں، جزاک اللہ۔ بہ وقتِ ملاقات کہا جاتا ہے، السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ جب چھینک آئے تو کہا جاتا ہے، الحمد للہ۔ جواب میں کہتے ہیں، یَرحَمُکَ اللہ۔ اظہارِ نفرت پر کہتے ہیں، لَاحولَ وَلَاقُوَّۃَ اِلّابِاللہ۔ اور کسی کی خوبی پر کہیں گے، مَاشَاءَ اللہ۔

بات کا اعتبار

مرسلہ: تنویر کوثر، کراچی

عرب کے ایک شیخ کے پاس عمدہ نسل کا ایک برق رفتار گھوڑا تھا۔ لوگ اس کی منھ مانگی قیمت دینے کو تیار تھے، مگر شیخ اس کے باوجود اُسے فروخت کرنا نہیں چاہتا تھا۔ گھوڑے کی شہرت سُن کر ایک نامی گرامی شہ سوار شیخ کے پاس پہنچا اور ایک بڑی رقم دے کر گھوڑا خریدنا چاہا۔ اس نے کہا، "ایسے اچھے گھوڑے کا مستحق مجھ سا شہ سوار ہی ہو سکتا ہے۔" شیخ نے کہا، "ٹھیک ہے، میں تمھاری شہ سواری کا قائل ہوں، لیکن یہ گھوڑا مجھے بے حد عزیز ہے۔ اس لیے اسے میں کسی قیمت پر نہیں بیچ سکتا۔" شیخ کی یہ فیصلہ کُن بات سُن کر شہ سوار بے حد مایوس ہوا، پھر فیصلہ کن لہجے میں کہا، "اچھا شیخ میں چلتا

ہوں، مگر ایک بات یاد رکھنا، جو چیز مجھے پسند آجاتی ہے میں اسے حاصل کیے بغیر نہیں چھوڑتا۔"

کچھ دنوں کے بعد شیخ یہ واقعہ بھول گیا۔ ایک روز وہ اپنے گھوڑے پر سوار جنگل سے گزر رہا تھا کہ راستے میں ایک کمزور اور بیمار آدمی نظر آیا، جو منزل تک پہنچنے کے لیے سواری کا محتاج تھا۔ شیخ کو اس پر ترس آگیا۔ وہ خود اُترا اور بیمار شخص کو گھوڑے پر بٹھا دیا۔ وہ شخص گھوڑے پر بیٹھتے ہی تن درست و توانا نظر آنے لگا۔ شیخ نے حیرت سے اُسے دیکھا اور چونک پڑا، کیوں کہ یہ وہی شہ سوار تھا، جو اُس کا گھوڑا خریدنا چاہتا تھا۔ شہ سوار نے زہریلی ہنسی کے ساتھ شیخ سے کہا، "شیخ! گھوڑے کی باگ میرے ہاتھ میں ہے، انگلی کے ایک اشارے کے ساتھ یہ ہوا سے باتیں کرنے لگے گا اور تم منھ دیکھتے رہ جاؤ گے، اور پھر منزل تک پہنچنے کے لیے تمھیں کسی دوسرے کی مدد حاصل کرنی پڑے گی۔" یہ کہہ کر شہ سوار روانہ ہونے ہی والا تھا کہ شیخ نے کہا، "ذرا ٹھہرو! ایک بات سنتے جاؤ، میری التجا ہے کہ اگر لوگ تم سے اس گھوڑے کے حصول کی بابت دریافت کریں تو ان سے کہنا کہ شیخ نے یہ مجھے تحفے کے طور پر دیا ہے، کیوں کہ اگر تم نے یہ کہا کہ تم نے یہ گھوڑا شیخ کو بے وقوف بنا کر حاصل کیا ہے تو لوگ ضرورت مندوں کی بات کا اعتبار کرنا چھوڑ دیں گے اور آیندہ کوئی کسی کی مدد کے لیے تیار نہ ہوگا۔"

شہ سوار پر اس بات کا بے حد اثر ہوا۔ اس نے گھوڑے سے اُتر کر معافی مانگی اور گھوڑے کی باگ شیخ کے ہاتھ میں دے دی۔

حاضر جوابیاں

مرسلہ: محمد غلام حسین میمن

* بچپن میں اُستاد نے علامہ اقبال کو اِملا لکھائی تو انھوں نے "غلط" کو "ط" سے لکھنے کے بجائے "ت" سے لکھا۔ اُستاد نے ٹوکا کہ لفظ "غلط" "ت" سے نہیں "ط" سے لکھا جاتا ہے۔ علامہ اقبال نے بے ساختہ کہا، "غلط کو غلط ہی لکھنا چاہیے۔"

* قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ ایک مقدمے کی پیروی کر رہے تھے۔ انگریز مجسٹریٹ طنز سے بولا:

"مسٹر جناح، آپ کی باتوں کو میں ایک کان سے سُنتا ہوں اور دوسرے کان سے نکال دیتا ہوں۔"

قائدِ اعظم نے برجستہ جواب دیا، "آپ کے دونوں کانوں کے درمیان کی جگہ خالی ہے۔"

* ایک خاتون نے برنارڈ شا کی حاضر جوابی کے بارے میں بہت کچھ سُنا تھا۔ جب وہ برنارڈ شا سے ملیں تو شا نے کہا، "مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔"

خاتون نے کہا، "معاف کیجیے! میں آپ کے لیے یہ جملہ نہیں استعمال کر سکتی۔" برنارڈ شا نے فوراً کہا، "خاتون! کیا آپ میری طرح جھوٹ نہیں بول سکتیں۔"

انسان کی خوشی

مرسلہ: ارشد علی، حیدر آباد

سقراط حکیم نے کیا خوب لطیفہ کہا ہے کہ اگر تمام

اہلِ دنیا کی مصیبتیں ایک جگہ لا کر ڈھیر کر دیں اور پھر سب کو برابر بانٹ دیں تو جو لوگ اب اپنے تئیں بدنصیب سمجھ رہے ہیں وہ اس تقسیم کو مصیبت اور پہلی مصیبت کو غنیمت سمجھیں گے۔

ایک اور حکیم اس لطیفے کے مضمون کو اور بھی بالاتر لے گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر ہم اپنی اپنی مصیبتوں کو آپس میں بدل بھی سکتے تو پھر ہر شخص اپنی پہلی ہی مصیبت کو اچھا سمجھتا۔ —— محمد حسین آزاد

کس کا ذکر

مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

ایک گھر میں لوگ تعزیت کے لیے جمع تھے اور دستور کے مطابق ذکر کر رہے تھے کہ خدا بخشے مرحوم بڑی خوبیوں کا مالک تھا۔ رحم دل اور سخی تھا۔ بیوی بچّوں کو ہمیشہ عیش و عشرت میں رکھا۔ ان پر بے پناہ محبت نچھاور کی، وغیرہ وغیرہ۔

یہ سُن کر بیوی نے اپنے بیٹے سے غصّے کے عالم میں کہا: "لوگ ایسے موقعوں پر بھی اِدھر اُدھر کی باتوں سے باز نہیں آتے۔ پتا نہیں کس کا ذکر لے بیٹھے ہیں۔"

پھول چڑھانے کی جگہ

مرسلہ: عمران فیروز خلجی، کراچی

"یہ بھارت ہے۔ گاندھی جی یہیں پیدا ہوئے تھے۔ لوگ ان کی بڑی عزّت کرتے تھے۔ ان کو مہاتما کہتے تھے۔ چناں چہ مار کر ان کو یہیں دفن کر دیا اور سمادھی بنا دی۔ دوسرے ملک کے بڑے لوگ آتے ہیں تو اس پر پھول چڑھاتے ہیں۔ اگر گاندھی جی نہ مرتے یعنی نہ مارے جاتے تو پورے ہندُستان میں عقیدت مندوں کے لیے پھول چڑھانے کی کوئی جگہ نہ ہوتی۔ یہی مسئلہ ہمارے یعنی پاکستان والوں کے لیے بھی تھا۔ ہمیں قائداعظم کا ممنون ہونا چاہیے کہ خود ہی مر گئے اور سفارتی نمائندوں کے پھول چڑھانے کی ایک جگہ پیدا کر دی ورنہ شاید ہمیں بھی ان کو مارنا ہی پڑتا۔" (اردو کی آخری کتاب سے۔ ابن انشا)

ایک شعر

مرسلہ: سید جعفر حسن، کراچی

پھول ہی دریا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے، نیلے نیلے، پیلے پیلے پیرہن

—— اقبال

دانا

مرسلہ: سرفراز عارف، کراچی

چین کے ایک دانا سے کسی نے ایک بار سوال کیا کہ آیا کوئی ایسا لفظ بھی ہے جس میں انسان کی خوشی کا راز چُھپا ہو۔ اس نے جواب دیا، لفظ "شُو" ہاں، جس کے معنی ہیں: "دوسروں کے ساتھ وہ سلوک نہ کرو جو تم اپنے لیے گوارا نہیں کرتے۔" —— ٹالسٹائی

انوکھا امتحان

مرسلہ: حافظ احمد ولی اللہ ارباب، سکھر

بدھ مت کی تاریخ میں مشہور طبیب "جیوک" کا نام ملتا ہے۔ وہ ٹیکسلا میں سات برس تک طب کی تعلیم حاصل کرتا رہا۔ پورے سات برس بعد "جیوک" کے اُستاد

نے اُسے پھاڑ دیا اور کہا، "جاؤ! شہر کے آس پاس جو پودے دواؤں میں استعمال نہ ہوتے ہوں وہ کھود لاؤ۔"

جیوک کئی دن بعد خالی ہاتھ واپس آیا اور استاد سے بولا، "مجھے ایسا کوئی پودا نہیں ملا جو دواؤں میں استعمال نہ کیا جا سکے۔"

اُستاد یہ سُن کر مسکرایا اور سند عطا کر کے جیوک کو مطب کرنے کی اجازت دے دی۔

زندگی ایک سفر ہے

مرسلہ: محمد خالد جوہر، کراچی

نہ جانے کتنے دن گزر گئے اور گزرتے رہیں گے سفر شروع کیے۔ عرصہ گزرا، کئی راہیں بدلیں، کئی راستے آزمائے، کئی مسافر ملے، کئی دوست بنے اور یہ سفر جاری ہے اپنی تمام تر رنگینیوں، دل فریبیوں، تلخیوں، ہنگاموں سے پُر، لیکن اصل مقصد کے بغیر، حقیقت سے دُور۔ آج اتنی جلد کل ہو جاتا ہے جیسے آنکھوں کی پلک جھپکے یا کمان سے تیر نکلے۔

ہر راہی دوسرے سے بڑھنے کی فکر میں ہے دھکا دے کر، ہٹا کر، گرا کر، مگر تیز، تیز تر، تیز ترین۔ کوئی گاڑی پر، کوئی سائکل پر، کوئی راکٹ پر اور کوئی پیدل ہر ایک رواں دواں، ہر ایک متحرک، لیکن ان سب کو کہاں جانا ہے، یہ کہاں رُکیں گے، کہاں ٹھیریں گے، کوئی منزل، کوئی ٹھکانہ تو ہو گا۔

اصل ٹھکانا کہاں ہو گا؟ ابھی کون سوچے، ابھی سانس باقی ہے، ابھی جان باقی ہے۔ یہ سفر کتنا طویل ہے یا مختصر کون جانے کسے خبر۔ پردۂ غفلت کو کب چاک ہونا ہے؟ جب چراغ بُجھنے لگے یا جب بُلبلہ پھٹنے لگے۔

یتیم بچے

مرسلہ: لبابہ مدنی، کراچی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم بچوں کی نگہداشت کی بے حد تاکید فرماتے ہیں۔ جب مسجد نبویؐ کی تعمیر درپیش تھی تو حضورؐ کو معلوم ہوا کہ جس زمین پر مسجد تعمیر کی جا رہی ہے، یہ دو یتیموں کی ہے۔ آپ نے فرمایا، "میں یہ زمین قیمتاً خریدوں گا، کیوں کہ یہ یتیموں کی ملکیت ہے۔"

خاندان نجّار کے لوگ جو اس زمین کے مالک بتائے جاتے تھے، انھوں نے کہا:

"ہم قیمت خدا سے لیں گے۔"

اس پر آپؐ نے دونوں یتیم بچوں کو جو اس زمین کے اصل وارث تھے بُلوایا اور ان سے پوچھا۔ انھوں نے زمین بلا قیمت نذر کرنا چاہی، لیکن حضورؐ نے انھیں ناسمجھ جان کر قیمت ادا کرنے پر اصرار فرمایا۔ آخر حضرت ابوایوبؓ نے زمین کی قیمت ادا کر دی۔ ـــــ عشرت رحمانی

دو شعر

مرسلہ: اسد رحمان اللہ خاں، ساہیوال

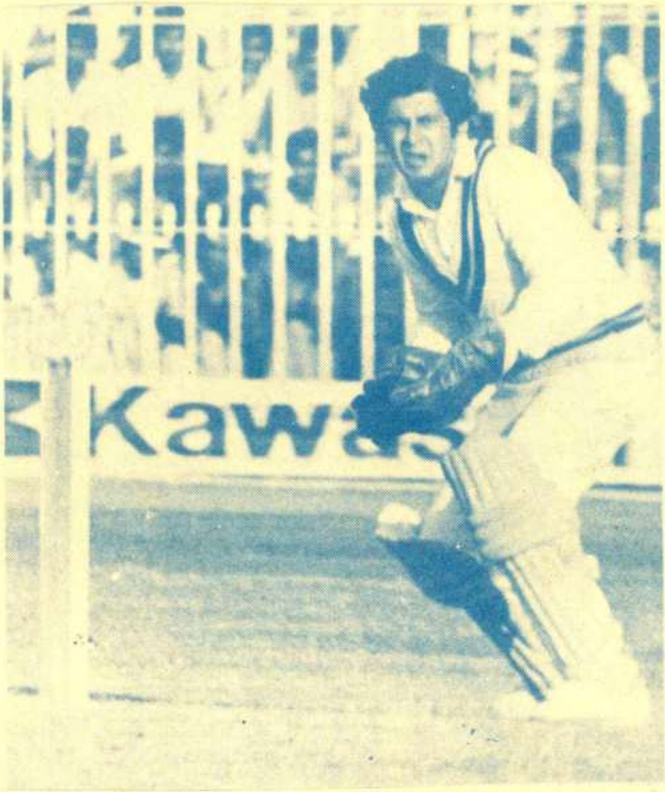
آج اگر کم وقار ہیں ہم لوگ
کل کی دل کش بہار ہیں ہم لوگ
ذرّہ اِک دن پہاڑ بھی ہو گا
قطرہ کیا آبشار ہیں ہم لوگ

ـــــ ظفر بن نیّر مدنی

اس مہینے کا کھلاڑی

وسیم باری

سترہ سال پہلے کا ذکر ہے گھنگریالے بالوں والا خوب صورت لڑکا پاکستان کی طرف سے وِکٹ کیپنگ کے لیے وِکٹوں کے پیچھے کھڑا ہوا۔ اس کی عمر انیس سال تھی۔ پھر تو اس نے اپنی جگہ ایسی پکّی کر لی کہ پورے سترہ سال وکٹ کیپنگ کرتا رہا۔ پاکستان نے اس دوران پورے نوّے ٹیسٹ



کھیلے۔ان میں سے اکّیاسی ٹیسٹ ایسے تھے جن میں اس لڑکے نے وکٹ کیپنگ کی۔

آج بھی اس کے بال سیاہ اور گھنگریالے ہیں۔ چہرے پر روزِ اوّل جیسی تازگی اور معصومیت ہے، مگر اس مدّت میں وہ کیا کچھ کر چکا ہے وہ بھی سُن لیجیے۔ آج وہ دنیا کے ان چند وکٹ کیپروں میں سے ہے جو سو سے زیادہ بیٹس مینوں کو آؤٹ کر چکا ہے اور ایک ہزار سے زیادہ رَن بنا چکا ہے۔ پاکستان کا یہ مشہور کھلاڑی وسیم باری ہے۔ وِکٹوں کے پیچھے کھڑے ہو کر وسیم باری نے کُل ملا کر ۲۲۸ بیٹس مینوں کو آؤٹ کیا ہے۔ وسیم باری نے پچھلے دِنوں اپنے سُبک دوش ہونے کا اعلان کیا ہے۔ ہم یہاں ان کی خاص خاص باتیں گِنا رہے ہیں۔

پورا نام : وسیم باری

عرفیت : بَلّی

پیدائش : ۲۳۔ مارچ ۱۹۴۸ء

جائے پیدائش : کراچی

تعلیم : بی کام

قسم : وِکٹ کیپر اور دائیں ہاتھ سے کھیلنے والے بیٹس مین

ٹیم : پی آئی اے

فرسٹ کلاس کرکٹ کی ابتدا : ۶۵۔۱۹۶۴ء، کراچی

بہترین وِکٹ کیپنگ : پی آئی اے کی طرف سے ۷۸۔۱۹۷۷ء میں سندھ کے خلاف کھیلتے ہوئے ایک اننگ میں سات بیٹس مینوں کو آؤٹ کیا۔

سب سے بڑا اسکور : ۱۷۷ رَن جو ۷۶۔۱۹۷۵ء میں پی آئی اے کی طرف سے نیشنل بینک کے خلاف بنائے۔

خاص دل چسپی : اسکواش کھیلنے سے ہے۔

پسند : ایمان داری۔

ناپسند : غیبت۔

پہلا ٹیسٹ : ۱۹۶۷ء میں انگلستان کے خلاف کھیلا۔

بہترین کیپنگ : آکلینڈ میں ۷۹۔۱۹۷۸ء میں نیوزی لینڈ کے حلاف کھیلتے ہوئے ایک اننگ میں

سات کیچ لیے۔
ٹیسٹ میں بہترین اسکور: ۸۵ رن جولاہور میں ۷۹-۱۹۷۸ء میں بھارت کے خلاف بنائے۔
یادگار لمحہ : جب شادی ہوئی۔
آنکھوں کا رنگ: سیاہ۔
بالوں کا رنگ : بھورا مائل سیاہ۔
پیشہ : پی آئی اے میں ملازمت۔
پسندیدہ ٹی وی شو: ڈیٹ از یور لائف۔(THAT IS YOUR LIFE)
پسندیدہ فلم : ڈاکٹر ژواگو۔
پسندیدہ گلوکار : نانا مسکوری۔
پسندیدہ کھانا : دال چاول۔
پسندیدہ مشروب : پھلوں کا رس۔
پسندیدہ تفریحی مقام : جزائر غرب الہند۔
کھیل کا خوف : کہیں زخمی نہ ہو جائیں۔
مشغلہ : کتابوں کا مطالعہ۔
سب سے بڑی خوش نصیبی : کرکٹ کھیلنے کو ملی۔
جہاں جہاں کھیلے ہیں : انگلستان، اوسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ویسٹ انڈیز، بھارت اور سری لنکا۔

اپنا پتا ضرور لکھیے

بعض نونہال اپنے خط میں، مضمون یا کہانی وغیرہ پر اپنا پتا نہیں لکھتے۔ یاد رکھیے، جب بھی آپ کسی کو خط لکھیں اپنا پتا ضرور لکھیں۔ یہ نہ سوچیے کہ آپ کا پتا جس کو خط لکھ رہے ہیں اُس کے پاس محفوظ ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کا پتا کھو گیا ہو، یا جواب دیتے وقت اس کو نہیں ملے۔ اگر آپ اپنے کسی عزیز کو بھی خط لکھ رہے ہوں تب بھی اپنا نام اور پتا ہر خط میں ضرور لکھ دیا کیجیے۔ یہ عادت بنا لیجیے کہ جب بھی خط لکھنے بیٹھیں تاریخ اور پتا پہلے لکھ دیں۔
ہمدرد نونہال کے لیے بھی آپ جو چیز بھیجیں اس پر اپنا نام اور پورا پتا ضرور لکھ دیا کیجیے



سج گیا کس طرح فلک دیکھو   کیسی رونق ہے دُور تک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دَھنک دیکھو

نصف چکّر میں ایک خُوبی سے   سات رنگوں کو مُشترک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دُھنک دیکھو

تم جو فطرت کو دیکھنا چاہو   اِس کماں کی چمک دَمک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دھنک دیکھو

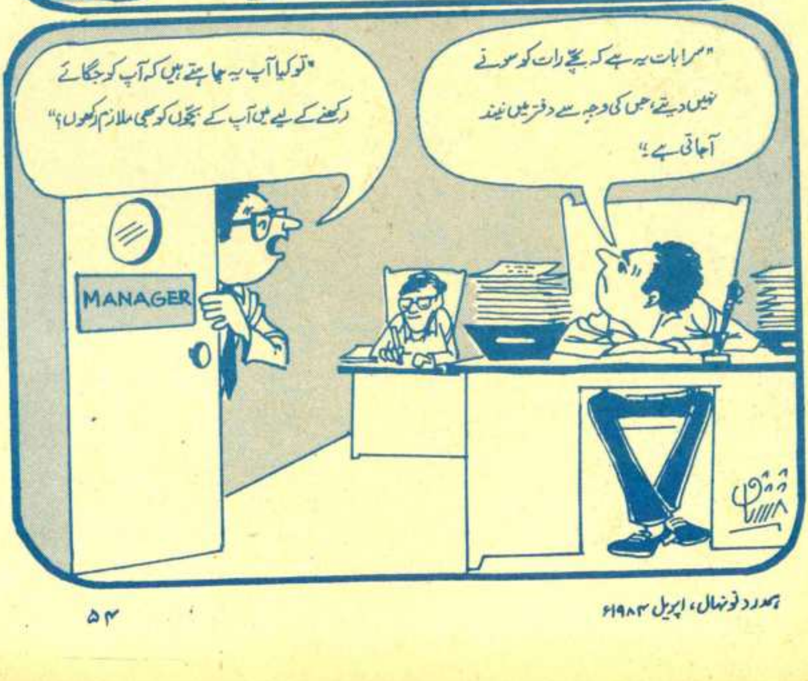
مینہ برسنے کے بعد قطروں پر   دھوپ کے عکس کی جھلک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دھنک دیکھو

مِٹنے والی ہے چند لمحوں میں   سونے چاندی کی یہ سڑک دیکھو
آؤ بچّو، حَسین دھنک دیکھو

کھیل قدرت کے سب نرالے ہیں   دِل میں لاؤ نہ کوئی شک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دَھنک دیکھو

فیض آنکھیں سرور پائیں گی   پاک منظر کو بے دھڑک دیکھو
آؤ بچّو، حَسیں دھنک دیکھو


"دھوبی! مجھے تم سے کپڑے نہیں دُھلوانے، کیوں کہ تم ایک کپڑے کے دو کر دیتے ہو۔"
"لیکن بیگم صاحبہ! میری ایمان داری بھی تو دیکھیں۔ میں دُھلائی ایک ہی کپڑے کی لیتا ہوں۔"


"سر! بات یہ ہے کہ بچے رات کو سونے نہیں دیتے، جس کی وجہ سے دفتر میں نیند آجاتی ہے۔"
"تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو جگائے رکھنے کے لیے میں آپ کے بچوں کو بھی ملازم رکھوں؟"
MANAGER

ہمدرد انسائکلوپیڈیا



س: مواصلاتی سیارہ کس قسم کا ہوتا ہے اور اُسے خلا میں کیسے چھوڑا جاتا ہے؟

محمد قیصر اقبال، علووالی، میانوالی

ج: یہ مصنوعی سیارہ مواصلات یا پیغام رسانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس لیے اُسے مواصلاتی سیارہ کہتے ہیں۔ ٹیلے وژن کے پروگرام عالمی پیمانے پر دُور دُور تک دکھانے میں بھی اس سے مدد لی جاتی ہے۔ اسے ایک بڑی سی گیند سمجھیے۔ جس میں چھوٹے بڑے بہت سے پُرزے اور آلات لگے ہوتے ہیں، جن میں سے اکثر خودکار ہوتے ہیں یعنی وہ انسان کی مدد کے بغیر خود بہ خود کام کرتے رہتے ہیں۔

س: عورتوں اور بچّوں کی نبض کی رفتار مَردوں کی بہ نسبت زیادہ تیز کیوں ہوتی ہے؟

محمد طارق جان، مردان

ج: بچّوں کا معاملہ بڑوں سے مختلف ہوتا ہے۔ اُن کی بڑھتی ہوئی عمر ہوتی ہے اور ان کے جسم میں حرارت اور توانائی بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اُن کا دِل نسبتاً زیادہ کام کرتا ہے اس لیے اُن کی نبض کی رفتار بڑوں کے مقابلے میں زیادہ تیز ہوتی ہے۔ مردوں اور عورتوں کی نبض میں کوئی خاص فرق نہیں ہوتا۔

س: بالائی صوتی آواز (ULTRASONICS) کیا ہوتی ہے؟ عام آواز اور اِس آواز کی لہروں میں

کیا فرق ہے؟ سعید خالق، گڑھی اختیار خاں

ج : آواز لہروں کی شکل میں سفر کرتی ہے۔ اس کے اِرتعاشات کی فی سیکنڈ تعداد فریکوئنسی کہلاتی ہے۔ یہ فریکوئنسی آواز میں فرق پیدا کر دیتی ہے۔ جب تک وہ حد میں رہتی ہے کہ ہم اُسے سُن سکیں، وہ "سونک" کہلاتی ہے، لیکن جب بالائی حد کو پار کر جائے تو الٹرا سونک بن جاتی ہے، یعنی سونک سے پرے، اوپر۔ ہم ایسی آواز کو سُن تو نہیں سکتے، لیکن اُس سے دوسرے بہت سے کام لیے جا رہے ہیں، کیوں کہ وہ نہایت قوی ہوتی ہے۔ عام آواز اور بالائے صوتی یا ماورائے صوتی لہروں میں خاص فرق یہی ہے کہ ہم آواز تو سُن سکتے ہیں، لیکن دوسری کو نہیں سُن سکتے، جب کہ بعض چمگادڑیں اور دوسرے جان دار الٹرا سونک سے متاثر ہو جاتے ہیں، یعنی اِن آوازوں کو سُن لیتے ہیں۔

س : بعض پودے صرف رات ہی کو کیوں مہکتے ہیں، جیسے رات کی رانی وغیرہ؟

سید اکبر رضا شاہ، تلہ گنگ

ج : شاید اس وجہ سے کہ ایسے پودوں کے پھولوں کو دن کی گرمی، دھوپ اور تیز روشنی پسند نہیں ہوتی۔ وہ رات کو مہکتے ہیں جب سورج غروب ہو جاتا ہے۔

س : شہابِ ثاقب کس طرح بنتے ہیں؟ اور یہ روشن کس طرح ہوتے ہیں؟

امجد اقبال اعوان، لاہور

ج : ہمارے چاروں طرف جو کائنات پھیلی ہوئی ہے، اُس میں ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ بہت سے ٹھوس اجسام بڑے کُروں سے الگ ہو کر فضا میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ اگر زمین ایسے کسی جسم کے قریب سے گزرتی ہے تو اُسے اپنی کشش سے اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ اور وہ ٹھوس جسم جو چھوٹا بھی ہو سکتا ہے اور بڑا بھی، زمین کی جانب گرنے لگتا ہے، لیکن جب وہ ہوا کے غلاف میں سے گزرتا ہے تو اس کی زبردست رفتار اور رگڑ کی وجہ سے وہ جل اُٹھتا ہے۔ اس سے روشنی بھی پیدا ہوتی ہے اور حرارت بھی۔ اُس کا جل بُھن کر ختم ہو جانا ہمارے لیے اچھا ہے، ورنہ اتنی زیادہ بلندی سے اتنی زیادہ رفتار کے ساتھ کوئی جسم ہمارے سر پر گرے تو نتیجہ ظاہر ہے۔ اِس جسم کو شہابِ ثاقب کہتے ہیں۔

س : آواز ہوا کی لہروں پر گردش کرتی ہے اور اُس کی ایک رفتار معیّن ہے تو پھر ہماری آواز دُور بیٹھے ہوئے آدمی کو کیوں نہیں سنائی دیتی؟ مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خاں

ج : آواز گردش نہیں کرتی بلکہ وہ لہروں کی شکل میں ہوا سے گزر کر ہمارے کانوں میں داخل ہوتی ہے اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم فلاں آواز سُن رہے ہیں۔ آواز کی رفتار ہوا میں معیّن ہے، لیکن آواز پانی میں سے بھی گزر سکتی ہے اور ٹھوس اشیا میں سے بھی، لیکن یہاں اس کی رفتار مختلف ہوگی۔ جس طرح پانی میں پیدا ہونے والی لہریں فاصلہ بڑھنے کے ساتھ ساتھ کم زور ہوتی چلی جاتی ہیں، اُسی طرح آواز بھی فاصلے کے ساتھ ساتھ کم زور پڑتی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دُور بیٹھا ہوا انسان آپ کی آواز نہیں سُن پاتا۔

س : میزائل کیا ہوتے ہیں۔ وہ کس طرح طیارے میں نصب کیے جاتے ہیں اور کیا کام کرتے ہیں؟ شازیہ رسول، ٹوبہ ٹیک سنگھ

ج : ہر وہ چیز جسے زور سے کسی نشانے کی طرف پھینکا جائے میزائل کہلاتی ہے، لیکن آج کل میزائل سے مُراد وہ راکٹ یا دھماکا پیدا کرنے کا گولا ہے، جسے دشمن کے ٹھکانوں پر مارا جاتا ہے۔ اب یہ ہتھیار طیارے میں اِس طرح لگا دیے جاتے ہیں کہ بٹن دباتے ہی وہ خود بہ خود اپنے نشانے کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ ان کا کام تباہی پیدا کرنا ہوتا ہے۔ دشمن کے مورچوں اور فوجی ساز و سامان کو تلف کر دینا اُن کا مقصد ہے۔

س : خُردبین کس طرح کام کرتی ہے؟ افراز القریش، کراچی

ج : آپ نے محدّب یا آتشی عدسہ ضرور دیکھا ہوگا، جو کناروں پر پتلا اور بیچ میں موٹا ہوتا ہے۔ اس کی مدد سے چھوٹی چیز بڑی معلوم ہوتی ہے۔ عام خُردبین میں یہی شیشہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جس چیز کو دیکھنا ہوتا ہے وہ اسی کے نیچے رکھی جاتی ہے اور بڑی معلوم ہوتی ہے۔ بہتر نتائج پیدا کرنے کے لیے ایک عدسہ اور استعمال کیا جاتا ہے جو آنکھ کے نزدیک ہوتا ہے۔ دونوں عدسوں کی مدد سے چھوٹی چیز بھی بڑی معلوم ہوتی ہے۔

س: نیوٹرون بم اور ہائیڈروجن بم کیا ہیں؟ — بشیر احمد خانزادہ، دولت پور

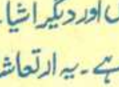
ج: اس سلسلے کی ابتدا دوسری جنگِ عظیم کے خاتمے پر اُس وقت ہوئی جب اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو شہروں پر ایٹم بم گرائے گئے۔ آج وہ ایٹم بم چھوٹے اور معمولی سمجھے جاتے ہیں۔ سائنس دانوں کو مجبور کیا جاتا رہا اور وہ ایٹم بم سے بھی زیادہ قوی اور زیادہ مہلک بم تیار کرتے رہے۔ نیوٹرون اور ہائیڈروجن بم زیادہ قوی اور زیادہ تباہ کُن ہوتے ہیں۔

س: سورج گرہن کیوں ہوتا ہے؟ — عبدالرسول عادل بلوچ، پسنی مکران

ج: آپ جانتے ہیں کہ ہماری زمین اپنے محور پر گھومنے کے علاوہ سورج کے چاروں طرف بھی گھومتی رہتی ہے اور چاند ہماری زمین کے چاروں طرف گردش کرتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی زمین، چاند اور سورج ایک سیدھ میں آجاتے ہیں اور چاند سورج کا چہرہ ڈھانپ لیتا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے سورج کی تھوڑی یا پوری سطح ہماری آنکھوں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ اسی کو سورج گرہن کہتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ چاند یا سورج گرہن کے وقت ان کو کسی قسم کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی، کیوں کہ چاند سورج ہم انسانوں کی طرح جان دار نہیں ہیں۔

س: ٹیلے وژن پر تصویریں کس طرح دکھائی دیتی ہیں؟ — محمد ارشاد احمد، کراچی

ج: روشنی اور بجلی میں قدرتی طور پر ایک تعلق پایا جاتا ہے۔ اگر یہ قدرتی تعلق موجود نہ ہوتا، تو ٹیلے وژن کی ایجاد ممکن نہ ہوتی۔ ٹیلے وژن اسٹیشن پر اسٹوڈیو ہوتے ہیں، جن میں تیز برقی روشنی کا بندوبست ہوتا ہے۔ یہ روشنی اداکاروں اور دیگر اشیا سے ٹکرا کر جب کیمرے میں داخل ہوتی ہے تو وہ برقی ارتعاشات میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ ارتعاشات وائرلیس کی لہروں کے ذریعے سے چاروں طرف پھیل جاتے ہیں اور جب ٹیلے وژن سیٹ میں داخل ہوتے ہیں تو یہاں انھیں برعکس نظام ملتا ہے۔ یعنی ٹیلے وژن سیٹ اور اس کا پردہ ان برقی ارتعاشات کو پھر روشنی اور تاریکی میں تبدیل کر کے ہو بہو اسٹوڈیو والا منظر پیش کر دیتا ہے۔ یہ ہے ٹیلے وژن کا بنیادی اصول۔



وہ اندھا ہوگیا

عبدالمجید قریشی

بڑی مدت ہوئی ملکِ مصر کے شہر قاہرہ میں ایک امیر کبیر سوداگر رہتا تھا۔ اس سوداگر کا ایک لڑکا تھا جس کا نام عبداللہ تھا۔ عبداللہ جب تین چار سال کا ہوا تو اُس کی امّی کا انتقال ہوگیا۔ سوداگر کو عبداللہ سے اتنی محبت تھی کہ اُس نے اپنی بیوی کے مرنے کے بعد دوبارہ شادی نہیں کی بلکہ اپنے بیٹے کی بڑے لاڈ پیار سے پرورش کی۔ جب عبداللہ ذرا بڑا ہوا تو سوداگر نے اُس کو تعلیم حاصل کرنے کے لیے مدرسے بھیجنا شروع کیا۔ عبداللہ نے تعلیم کی طرف زیادہ توجہ نہ کی وہ ہمیشہ یہی سوچا کرتا کہ ہمارے پاس بڑی دولت ہے، میں پڑھ لکھ کر



کیا کروں گا۔ سوداگر نے بہت کوشش کی کہ وہ کچھ پڑھ لکھ لے، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آخر اُس نے عبداللہ کو مدرسے سے اُٹھا لیا اور اُسے کاروبار سکھانے کی غرض سے اپنی دُکان پر بٹھانے لگا۔ عبداللہ کاروبار میں بھی کوئی دِل چسپی نہ لیتا تھا، اس لیے وہ اچھا سوداگر بھی نہ بن سکا۔

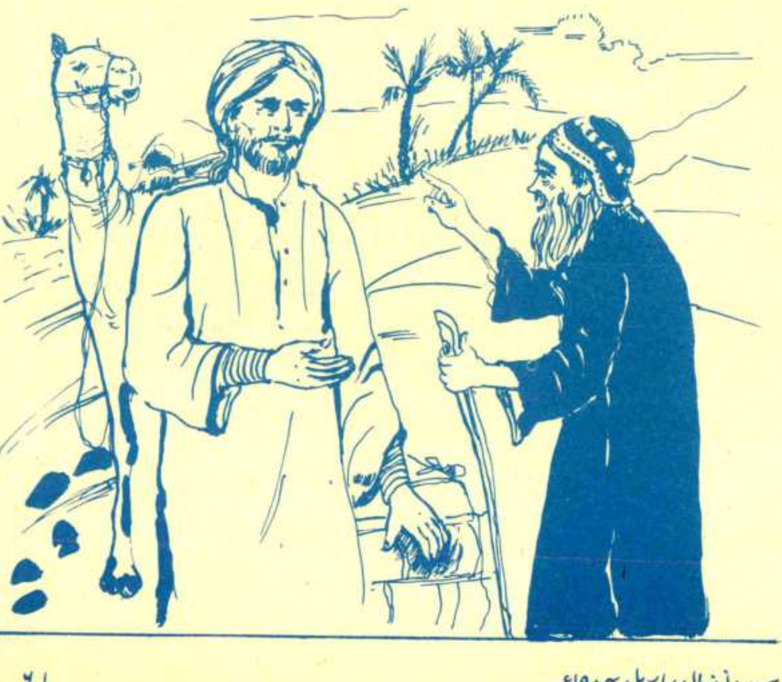
زمانہ گزرتا گیا۔ اب عبداللہ کی عمر پچیس برس کے قریب ہو چکی تھی کہ سوداگر بڑا سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج ہوا، مگر فائدہ نہ ہوا اور ایک روز سوداگر چل بسا۔

عبداللہ کے باپ نے اتنی زیادہ دولت چھوڑی تھی کہ اگر وہ کوئی کام نہ بھی کرتا تب بھی اُس کی زندگی آرام سے بسر ہو جاتی، مگر بُری صحبت نے اُسے کہیں کا نہ چھوڑا تھا۔ بہت سے بُرے لوگ اُس کے دوست بن گئے اور وہ باپ کی دولت کو بڑی بے دردی سے لُٹانے لگا۔ جب وہ اپنی دولت کا بڑا حصّہ برباد کر چکا تو اُسے ہوش آیا، مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ اُس کے پاس اب اتنی دولت نہ تھی کہ وہ کوئی کاروبار کرتا، پھر اُس کو نہ کاروبار کا کوئی تجربہ تھا اور نہ وہ پڑھا لکھا تھا۔

آخر سوچ سوچ کر اُس نے یہ کیا کہ بیس اونٹ خرید لیے اور اُن پر سوداگروں کا مال لاد کر دوسرے شہروں کو لے جانے لگا۔ یہ بڑی بے عزّتی کا کام تھا، مگر کیا کرتا۔ شاید قدرت بھی اُس کو سزا دینے پر تُلی ہوئی تھی۔ ایک روز وہ جنگل میں اپنے اونٹ چَرا رہا تھا کہ ایک فقیر اِدھر آنکلا۔ وہ بھوکا تھا۔ عبداللہ کو معلوم ہوا تو اُس نے اپنا دسترخوان بچھایا اور اُس کو اپنے ساتھ کھانے میں شریک کر لیا۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو فقیر نے عبداللہ سے پوچھا کہ تم پریشان معلوم ہوتے ہو، کیا معاملہ ہے؟ اس پر عبداللہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے رو رو کر اپنی داستان سُنا دی۔ فقیر نے اُس کو تسلّی دی اور کہا کہ اُس کے پاس چاندی سونے اور ہیرے جواہرات کا اتنا بڑا خزانہ موجود ہے کہ اگر اُس میں سے بیس اونٹ بھی بھر لیے جائیں تب بھی وہ ختم نہ ہوگا۔ تم اپنے اونٹوں کو اکٹّھا کر لو اور میرے ساتھ چلو، لیکن شرط یہ ہے کہ دس اونٹ تمھارے اور دس میرے ہوں گے۔ عبداللہ مان گیا۔ وہ اپنے اونٹوں کو لے آیا اور فقیر کے ساتھ چل پڑا۔ انھوں نے تھوڑا سا راستہ طے کیا تھا کہ سامنے اونچے اونچے ٹیلے آ گئے۔ فقیر نے کہا، بس ٹھیر جاؤ، یہیں خزانہ ہے۔ پھر اُس نے کھڑے ہو کر دُعا مانگی۔ دُعا مانگنا تھا کہ زمین پھٹ گئی اور سونا چاندی ہیرے جواہرات کے انبار نظر آنے لگے۔ عبداللہ اور فقیر نے مل کر بیس

اونٹ ان چیزوں سے خوب بھر لیے۔ اب فقیر خزانے میں رکھے ہوئے ایک خوب صورت بکس کی طرف بڑھا۔ اُسے کھولا۔ اُس میں سے ایک سنہری ڈبیا نکالی اور اپنی جیب میں رکھ لی۔ عبداللہ نے ڈبیا کو کھولا، مگر منہ سے کچھ نہ بولا۔ سوچا کہ راستے میں بات کروں گا۔ چلنے سے پہلے فقیر نے پھر دُعا مانگی اور خزانے کا دروازہ بند ہو گیا۔ دونوں چل پڑے۔ دس اونٹ عبداللہ کے پاس تھے اور دس اونٹ فقیر لے جا رہا تھا۔ ابھی تھوڑی دُور چلے تھے کہ عبداللہ کے دل میں لالچ پیدا ہوا۔ اُس نے فقیر سے کہا کہ بابا، آپ تو فقیر ہیں۔ دنیا کو چھوڑ چکے ہیں۔ آپ اِن دس اونٹوں کا کیا کریں گے۔ مہربانی سے پانچ اونٹ مجھے اور دے دیں۔ فقیر نے کہا، "اچھا بھئی لے لو۔" عبداللہ نے پانچ اونٹ لے لیے۔

تھوڑی ہی دیر بعد عبداللہ کے دل میں پھر لالچ پیدا ہوا۔ دِل میں کہنے لگا کہ باقی پانچ اونٹ بھی فقیر سے مانگ کر دیکھوں شاید مِل جائیں۔ چناں چہ پھر فقیر سے چکنی چپڑی باتیں



کرنے لگا اور آخر وہ پانچ اونٹ بھی لینے میں کام یاب ہو گیا۔ اب اُسے اُس ڈبیا کا خیال آیا۔ کہنے لگا" بابا، آپ جیسے عابد زاہد لوگوں کو سونا چاندی زیب نہیں دیتے، یہ سونے کی ڈبیا بھی مجھ کو دے دیں۔ یہ ہمارے جیسے دنیا داروں کے پاس رہنے کی چیز ہے۔ فقیر بولا یہ ڈبیا مت لو ورنہ نقصان اُٹھاؤ گے۔ اسے میرے پاس ہی رہنے دو، پھر تمھیں یہ بھی تو معلوم نہیں کہ اس میں ہے کیا؟ اس میں ایک مرہم ہے۔ اگر اُسے بائیں آنکھ میں لگایا جائے تو تمام دنیا کے چھپے ہوئے خزانے نظر آجاتے ہیں اور اگر دائیں آنکھ میں لگایا جائے تو آدمی اندھا ہو جاتا ہے۔ عبداللہ نے فقیر سے کہا اچھا آپ تھوڑا سا مرہم میری بائیں آنکھ میں لگا دیں۔ فقیر نے مرہم لگایا تو اُسے خزانے ہی خزانے نظر آنے لگے، مگر اُس کے دل سے لالچ پھر بھی نہ گیا۔ اُس نے سوچا کہ کہیں فقیر مجھے دھوکا نہ دے رہا ہو، میں دائیں آنکھ میں بھی مرہم لگوالوں، شاید اُس میں بھی خزانے نظر آئیں۔ اس خیال کے آتے ہی اُس نے فقیر سے اصرار کیا کہ میری دائیں آنکھ میں بھی مرہم لگا دیں۔ فقیر نے اُسے بہتیرا کہا کہ دائیں آنکھ میں مرہم نہ لگواؤ ورنہ اندھے ہو جاؤ گے، مگر وہ نہ مانا۔ آخر فقیر نے اُس کی دائیں آنکھ میں مرہم لگا دیا۔ مرہم کا لگانا تھا کہ عبداللہ اندھا ہو گیا۔ اب تو وہ رو رو کر فقیر کے پاؤں پڑنے لگا کہ یہ تمام اونٹ مجھ سے لے لیں اور میری آنکھیں اچھی کر دیں، مگر فقیر نے کہا کہ تو بڑا لالچی ہے۔ تجھے سزا ملنی چاہیے۔ یہ کہہ کر فقیر چل پڑا اور اپنے ساتھ وہ بیسوں اونٹ بھی لے گیا۔

- فرصت کے اوقات کو ایسے جانو جیسے بادل جو تیزی سے گزر جاتے ہیں۔
- جس فعل سے شرمندگی اٹھانی پڑے اس سے پرہیز کرو۔
- بے شک دیر تک سوچو، لیکن سوچنے کے بعد جو فیصلہ کرو، وہ اٹل ہو۔
- پہاڑ کی طرح وقار پیدا کرو، مٹی میں مل کر گم نہ ہو جاؤ۔
- خود داری سے اپنے مقاصد حاصل کرو۔
- دوست بنانے سے پہلے ایک چھوٹی سی قبر بنالو جس میں اس کی تمام برائیاں دفن کر دو۔
- کسی پر کیچڑ اُچھالنے سے پرہیز کرو۔ ہو سکتا ہے تمھارا نشانہ خطا ہو جائے۔ ورنہ کم سے کم تمھارے ہاتھ تو ضرور گندے ہو جائیں گے۔

مرسلہ: عبدالروف خاں، بھاول نگر





امیر شاہ نواز خانزادہ، نواب شاہ



محمد صفدر، ناڑہ اٹک



علوینہ خان، کراچی



محمد اشرف خالد، کراچی



جمیل احمد خان، کراچی

اخبار نونہال



بیماروں کے لیے مفت سواری

آپ مانیں یا نہ مانیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ کراچی میں ایک رکشا ایسا چلتا ہے جس پر جلی حرفوں میں لکھا ہے: "بیماروں، غریبوں اور محتاجوں کے لیے مفت سواری"۔ اس کا نمبر "کے۔ اے۔ یو ۳۵۶۹" ہے۔

مرسلہ: مصطفےٰ چاند، عزیز آباد

ایک سو گیارہ

کرکٹ کے مشہور پاکستانی کھلاڑی صادق محمد نے ۲۹۔ مئی ۱۹۷۵ء کو گلوسٹر کی طرف سے کھیلتے ہوئے وارورک شائر کے خلاف ایک سو گیارہ منٹ میں ایک سو گیارہویں گیند پر ایک سو گیارہ رنز بنائے۔

ایس۔ ایم جمشید فاروقی، مظفر گڑھ

امریکا کا معمر ترین صدر — ریگن

صدر ریگن نے ابھی تک آئندہ صدارتی انتخابات میں امیدوار ہونے کا سرکاری طور پر اعلان نہیں کیا، لیکن یقین کیا جاتا ہے کہ وہ ۱۹۸۴ء میں ہونے والے انتخابات میں ضرور حصہ لیں گے۔ اس وقت صدر ریگن کی عمر ۷۲ سال ہے۔ وہ امریکا کے معمر ترین صدر ہیں۔ ان کی تاریخ پیدائش ۶۔ جنوری ۱۹۱۱ء ہے۔ جنوری ۱۹۸۰ء میں جب انھوں نے ۶۹ سال کی عمر میں صدارت کا

حلف اُٹھایا تھا تو انھوں نے ایک نیا رِکارڈ قائم کیا تھا۔ ۱۸۴۱ء میں صدر ولیم ہیری سن نے ۶۸ سال کی عمر میں برف باری کے طوفان میں قصرِ صدارت کے باہر کھڑے ہو کر حلف اُٹھایا تھا جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو گئے تھے۔ اس کے ایک ماہ بعد ان کا انتقال ہو گیا۔ پندرھواں صدر جیمز بکانن ۶۵ سال کی عمر میں صدر منتخب ہوئے۔ ۶۹ سال کی عمر میں ان کی معیاد پوری ہو گئی تھی۔ صدر ٹرومین ۶۰ سال کی عمر میں صدر منتخب ہوئے۔ وہ ۶۸ سال کی عمر میں رِٹائر ہو گئے تھے۔ صرف صدر آئزن ہاور اپنی ۷۰ سالہ سال گرہ کے تین ماہ بعد رِٹائر ہوئے۔ اس سے پہلے صدر روزویلٹ ۱۲ سال صدر رہنے کے بعد ۶۳ سال کی عمر میں رِٹائر ہوئے تھے۔

مرسلہ: ظہور احمد موڑا منڈ وڑی چھتروہ

زندگی کا سانس

ایک انسان نے ایک بیمار مگر مچھ کو جس کا سانس ایک اپریشن کے دوران بند ہو گیا تھا دوبارہ زندہ کر دیا۔ دس فیٹ لمبے ۲۸۵ پونڈ وزنی امریکی مگر مچھ کو جس کا نام اورین ہے، ایک دوسرے مگر مچھ نے کاٹ لیا تھا۔ جانوروں کے سرجن نے منگل کے روز اس کا اپریشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اورین کے دانتوں میں ایک موٹی لکڑی پھنسا کر اسے بے ہوش کر دیا۔ اپریشن کے بعد جب پٹی باندھ دی گئی تو مگر مچھ کا سانس اچانک بند ہو گیا۔ اس پر ڈاکٹر برنارڈ نے اس کے منھ سے منھ مِلا کر مصنوعی طریقے سے اسے سانس پہنچایا۔ یہ عمل کئی منٹ تک جاری رہا، یہاں تک کہ مگر مچھ کا سانس بحال ہو گیا۔ مرسلہ: سید امین الدین، اسلام آباد

تیز نظر

اسٹٹ گارٹ یونی ورسٹی (جرمنی) میں ایک طالبہ ویرونکا سیڈر اوسط درجے کی بصارت سے بیس گنی زیادہ بصارت (نگاہ) رکھتی تھی۔ وہ ایک میل کے فاصلے سے آدمی کو بہ آسانی پہچان لیتی تھی۔ یہ بات ۱۹۷۲ء کی ہے جب اس طالبہ کی عمر انیس سال تھی۔

مرسلہ: کامران بلوچ، اوکاڑہ

ہوا جس میں ہم زندہ ہیں

علی اسد

ہوا ایک ایسی چیز ہے جس کو ہم دیکھ تو نہیں سکتے تا ہم اس کے بغیر ہم زندہ بھی نہیں رہ سکتے۔ زمین پر رہنا کچھ ایسا ہے جیسے سیکڑوں میل گہرے ہوا کے سمندر کے فرش پر ہوں۔ فضا یا کرّۂ ہوا کے بغیر نہ آدمی ہوں گے نہ جانور۔ نہ چڑیاں ہوں گی نہ مچھلیاں۔ نہ درخت ہوں گے اور نہ پودے۔ اسی طرح موسم۔ جھکڑ اور بارش بھی نہ ہوگی۔ آسمان بھی نیلا نہیں ہوگا اور طلوع اور غروبِ آفتاب کا گلابی منظر بھی نہ ہوگا۔

ہوا کے بغیر آگ کا ہونا بھی ناممکن ہوگا، کیوں کہ جلنا جس کو کہتے ہیں وہ او کسی جن اور جلنے والی چیز کے اتحاد کا نام ہے۔ اسی طرح شور و غل بھی نہ ہوگا، کیوں کہ جس کو شور و غل کہتے ہیں وہ دراصل ہوا کا ارتعاش ہے کان کے پردوں پر۔

ہوا ہم کو کس طرح محفوظ رکھتی ہے، یہ بھی سُنیے۔ دن کے وقت فضا ایک سائبان کا کام کرتی ہے۔ وہ زمین کو سورج کی پوری طاقت سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ سورج کی خطرناک تابانی کے بیش تر حصّے کو فضا جذب کر لیتی ہے۔ اگر فضا نہ ہو تو دن کا درجۂ حرارت ۲۳۰ ڈگری فارن ہائٹ ہو جائے۔ یعنی کھولتے ہوئے پانی سے بھی زیادہ۔ رات کے وقت ہوا ایک ایسے عظیم شیشے کے گھر کی طرح کام کرتی ہے جس میں پودے رکھے جاتے ہیں۔ دن بھر میں جتنی گرمی اکھٹّا ہوتی ہے اس کو وہ قید کر لیتی ہے اور خلا میں پھیلنے سے روک دیتی ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو رات کے وقت درجۂ حرارت منفی ۳۰۰ ڈگری فارن ہائٹ ہو جائے۔ یعنی اتنی شدید سردی ہونے لگے جس کو برداشت کرنا انسان کے لیے ناممکن ہے۔

آخری بات یہ کہ فضا رگڑ کے ذریعے سے ان لاکھوں ٹوٹے ہوئے ستاروں کو جلا ڈالتی ہے جو روزانہ خلا سے زمین کے میدانِ ثقل میں گرتے رہتے ہیں۔ اگر یہ تمام ٹوٹے ہوئے ستارے زمین پر گرتے رہیں تو پھر زمین کی سطح بھی چاند کی طرح گڑھے دار ہو جائے۔ واضح رہے کہ چاند میں کوئی

فَضا نہیں جو ٹوٹے ہوئے ستاروں کو روک سکے۔

آسمان کتنا ٹھنڈا ہے؟

یہ بات درست نہیں کہ آپ جتنی بلندی پر جائیں گے اتنی ہی ہوا ٹھنڈی ہوتی جائے گی۔ سات میل کی بلندی تک تو یہ بات ٹھیک ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فَضا کی زیریں پرتیں زمین سے نکلی ہوئی حرارت سے گرم ہو جاتی ہیں۔ اس کے اوپر کی پرت کا درجۂ حرارت قریب قریب یکساں رہتا ہے، لیکن تقریباً اٹھارہ میل کی بلندی پر درجۂ حرارت گر کر منفی چالیس ڈگری فارن ہائٹ رہ جاتا ہے۔ یہاں پر درجۂ حرارت بڑھنے لگتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض قسم کی گیسیں سورج کی حرارت کو براہِ راست جذب کر لیتی ہیں۔ پھر جب یہ گیسیں تقریباً پچاس میل پر غائب ہو جاتی ہیں تو درجۂ حرارت گر کر ۱۱۷ رہ جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر مسلسل بڑھتا رہتا ہے اور ڈھائی سو میل پر ۱۸۰۰ فارن ہائٹ تک پہنچ جاتا ہے۔ اگر ہم اس قسم کے حیرت ناک درجۂ حرارت میں زندہ بھی رہ سکتے تب بھی ہم ان کو محسوس نہیں کر سکتے۔ گرمی کے دِنوں میں ہم جو گرمی محسوس کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہماری کھال پر بے شمار ہوا کے ذرّات بم باری کرتے ہیں۔ ہم کو گرمی اور سردی کا جو احساس ہوتا ہے اُس کا انحصار ہوتا ہے ان ہی ذرّات کی رفتار پر، لیکن بالائی سطح کی پتلی ہوا میں اتنے ذرّات نہیں ہوتے کہ انھیں کھال محسوس کر سکے۔ پچاس میل کی بلندی سے اوپر اگر کوئی جان دار چیز خلا میں پہنچ جائے اور فَضا اس کو تحفظ فراہم کرنے کو نہ ہو تو اس کا وہ حصّہ جو سورج کی جانب ہو گا جل کر کباب ہو جائے گا اور دوسرا حصّہ برف کی طرح جم کر رہ جائے گا۔

موسم کیا ہے؟

ہوا کے بارے میں جو بات ہم کو سب سے زیادہ دکھائی دیتی ہے وہ ہے اس کی حرکت۔ جس کو جھکّڑ کہا جاتا ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے جھکّڑوں کا نظام دو بہت بڑی قوتوں کی بہ دولت قائم ہے۔ ان میں سے ایک تو ہے سورج کی گرمی، دوسری قوت ہے زمین کی اپنے محور پر گردش۔ اگر سورج اکیلا کام کر رہا ہوتا تو تمام بڑے جھکّڑ سورج کے نیچے سے شروع ہوتے

اور چاروں طرف پھیل جاتے، لیکن چوں کہ زمین گردش کرتی رہتی ہے اس لیے ہوا کا بہاؤ جو گرم علاقوں سے سرد علاقوں کی جانب ہوتا ہے وہ قطبین کے اِرد گِرد مشرق اور مغرب کی طرف مُڑ جاتا ہے۔ فضا دراصل ہوا کا ایک ساکت سمندر نہیں، بلکہ ایک طوفانی سمندر ہے جس میں ہول ناک لہریں شکنیں ڈالتی رہتی ہیں اور یہی لہریں ہمارے موسم میں فرق پیدا کرتی ہیں۔ جب بھی کبھی ہمارے اوپر کی ہوا اونچی ہو کر ایک بڑی لہر کا گچھا بن جاتی ہے تو زمین پر اچھے موسم کا امکان ہو جاتا ہے۔

بادل کس چیز سے بنے ہوئے ہوتے ہیں؟

آسمان پر جو کالی کالی گھٹائیں دکھائی دیتی ہیں اور جو سفید سفید بادل نظر آتے ہیں یہ سب ایک ہی چیز کے بنے ہوئے ہوتے ہیں، یعنی ہوا کی رطوبت کے۔ جن دِنوں خشکی ہوتی ہے اور مطلع صاف ہوتا ہے تو رطوبت دکھائی نہیں دیتی، لیکن جب گرم ہوا ٹھنڈی ہو جاتی ہے تو رطوبت دکھائی دینے لگتی ہے۔ یہ کبھی بارش کی صورت میں اور کبھی اولوں اور برف کی شکل میں نمودار ہو جاتی ہے یا پھر شبنم اور پالے کی صورت میں زمین پر جَم جاتی ہے۔

آسمان نیلا کیوں ہے؟

ہمارے چاروں طرف جو بے شمار خوب صورت چیزیں نظر آتی ہیں وہ کسی نہ کسی طرح فضا کی احسان مند ہیں۔ نیلا آسمان، نیلا سمندر، سفید بادل، موتی جیسا کُہر، قوس وقزح، بجلی کی چمک، یہ تمام چیزیں اِرد گِرد کی ہوا سے پیدا ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر آسمان نیلا اس وجہ سے ہے کہ ہوا کے ذرّات روشنی کی چھوٹی نیلی لہروں کو پکڑ لیتے ہیں اور انھیں آسمان پر پھیلا دیتے ہیں، لیکن یہ نیلا آسمان صرف بارہ میل کی بلندی تک ہے۔ اس کے بعد وہ بنفشئی رنگ اختیار کر لیتا ہے اور بیس میل کی بلندی کے بعد سیاہ ہو جاتا ہے اور ستارے نمودار ہو جاتے ہیں۔

صبح اور شام کو آسمان پر جو گلابی رنگ دِکھائی دیتا ہے وہ بھی اسی طرح سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی بارش کی بِنا پر آپ کو فضا پر غصّہ آجائے تو یہ یاد رکھیے کہ اسی کی بہ دولت زمین پر روشنی، حرارت اور رنگینی قائم ہے اور تمام جان دار چیزیں اسی کی بہ دولت سانس لیتی ہیں۔

عارف پہ کیا گزری ___ پچھلی قسطوں کا خلاصہ

عارف اور سلمٰی بچپن میں ہی یتیم ہو گئے تھے۔ اُن کی پرورش اُن کے ظالم چچا سلمان اور چچی کے ہاں ہوئی، جو اُن پر بڑے مظالم ڈھاتے تھے۔ دونوں بہن بھائی ظلم سہتے اور ماں کو یاد کر کے روتے رہتے۔ ایک دن چچی نے عارف کو اس قدر مارا کہ وہ بے حال ہو گیا اور اُس کے پاس اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں رہا کہ وہ سلمٰی کے ساتھ اپنی نانی کے ہاں روانہ ہو جائے۔ ان کے گھر سے چلے جانے پر چچا اور چچی بہت خوش ہوئے، لیکن انھیں اچانک معلوم ہوا کہ عارف کو اس کے والد کے بیمے کا دو لاکھ رُپیہ ملنے والا ہے۔ چناں چہ وہ ان دونوں کی تلاش شروع کر دیتے ہیں اور اخبارات میں ان کی گمشدگی کا اشتہار دے دیتے ہیں۔

عارف اور سلمٰی ان باتوں سے بے خبر اپنے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں سفر کے دوران مختلف لوگوں کا سامنا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے انھیں ریل میں ایک ایسے مرد اور عورت سے پالا پڑتا ہے جو بچّوں کو اغوا کر کے اور ان کے ہاتھ پاؤں توڑ کر ان سے بھیک منگواتے ہیں۔ یہ لوگ دونوں بھائی بہن کو بہلا پھسلا کر اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ اتفاق سے اُنھیں اُن کا ایک ہم عمر لڑکا مل جاتا ہے جو انھیں تمام باتوں سے آگاہ کر دیتا ہے اور عارف سلمٰی کو لے کر وہاں سے فرار ہونے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔

عارف اور سلمٰی کو معلوم ہو جاتا ہے کہ چچا سلمان نے ان کو تلاش کرنے کے لیے اخبارات میں اشتہار چھپوا دیا ہے لہٰذا وہ لوگوں کی نظروں سے بچتے ہوئے ایک ایسے اجنبی مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں انھیں ایک خطرناک فقیر ملتا ہے، جو انھیں لوٹ لیتا ہے اور دونوں بہن بھائی کے ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے۔ وہ اس کے پنجے سے بہ مشکل نجات پاتے ہیں۔ راستے میں عارف ایک بچّی کو تیز رفتار موٹر کی زد سے بچاتا ہے، جس سے خوش ہو کر بچّی کی والدہ دونوں بہن بھائی کو اپنے گھر لے جاتی ہیں۔ وہاں عارف کو شبہ ہوتا ہے کہ کہیں یہ لوگ بھی بچّوں کو اغوا کرنے والے گروہ سے تعلق نہ رکھتے ہوں، لیکن ان کی غلط فہمی جلد دُور ہو جاتی ہے۔ وہ عارف اور سلمٰی کو ان کی نانی کے گھر تک پہنچانے میں مدد کرتے ہیں۔ عارف اور سلمٰی کے ان کے ہاں سے روانہ ہوتے ہی انسپکٹر فراز انھیں تلاش کرتا ہوا وہاں پہنچ جاتا ہے اور اسے جب معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بھائی بہن ابھی ابھی وہاں سے روانہ ہوئے ہیں، تو وہ ان کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا ہے۔ تھوڑی سی کوشش سے عارف اور انسپکٹر فراز کا آمنا سامنا ہو جاتا ہے، لیکن عارف اسے پتھّر مار کر زخمی کر دیتا ہے اور سلمٰی کو ساتھ لے کر فرار ہونے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔ راستے میں اسے ایک ہمدرد لڑکا موسیٰ ملتا ہے جو اسے اپنے قبیلے میں لے جاتا ہے۔ موسیٰ کے والدین دونوں بھائی بہن کو فروخت کر دینے کا ارادہ کرتے ہیں۔ موسیٰ کو کسی طرح اس کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ عارف کو اپنے والدین کے ارادے سے آگاہ کر دیتا ہے اور عارف وہاں سے بھی بھاگنے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔ دونوں بھائی بہن ایک سنسان مقام پر پہنچ جاتے ہیں جہاں انھیں پولیس کا ایک سپاہی زخمی حالت میں ملتا ہے اس کے قریب ہی انھیں ایک بٹوا پڑا ہوا ملتا ہے۔ عارف وہ بٹوا لے کر چل پڑتا ہے۔ کچھ دُور جانے کے بعد اُسے ایک بھیڑیا نظر آتا ہے۔ دونوں بھائی بہن اپنی جان بچانے کے لیے قریب ہی کھڑے ہوئے ایک ٹرک پر سوار ہو جاتے ہیں۔ ٹرک ان کے سوار ہوتے ہی چل پڑتا ہے اور انھیں ایک تاریک گودام میں لے کر پہنچتا ہے، جہاں پہنچنے کے بعد عارف کو معلوم ہوتا ہے کہ ٹرک کے اندر وہی شخص موجود ہے، جو انھیں اسٹیشن سے بہلا پھسلا کر لے گیا تھا اور جو اب اسمگلروں کا سرغنہ بن چکا ہے۔ عارف ایک بار پھر خود کو خطرے میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ وہ تاریک گودام سے فرار ہونے کی کوشش کرتا ہے اور کسی طرح تہ خانے سے نکل کر کھلی فضا میں پہنچنے میں کام یاب ہو جاتا ہے۔

سلسلے وار کہانی

دسویں قسط

عارف پہ کیا گزری

مہروز اقبال

سڑک پر آمد و رفت کم تھی۔ بہت سے لوگ ابھی نرم اور آرام دہ بستروں میں سو رہے تھے۔ البتہ جانور اور پرندے قدرت کے حُسن کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔ جب عارف اور سلمیٰ ایک گلی کے قریب پہنچے تو اُس نے سلمیٰ کو ایک درخت کے نیچے بٹھاتے ہوئے کہا، "میں سامنے کی دُکان سے کچھ کھانے کے لیے لاتا ہوں، تم یہیں بیٹھی رہنا۔" یہ کہہ کر وہ بھاگا بھاگا دُکان تک پہنچا، لیکن جیسے ہی رُپے نکالنے کے لیے جیب میں ہاتھ ڈالا تو رُپے نہ تھے شاید کہیں گر گئے تھے۔ البتہ لاٹر، ماں کی تصویر اور بٹوا موجود تھے۔ اس نے فوراً بٹوا نکالا اور سوچا، "اس میں ضرور کچھ نہ کچھ رُپے ہوں گے۔" اس



کا خیال درست نکلا۔ اس میں سے اس نے جیسے ہی دس رُپے کا نوٹ نکالا بٹوے میں سے ایک تصویر نکل کر زمین پر گر پڑی۔ اس نے فوراً تصویر اُٹھا کر دیکھی اور وہ حیرت زدہ رہ گیا۔ وہ تصویر لال پگڑی والے یعنی منشی کی تھی۔ اس کے علاوہ بٹوے میں چند ایسے کاغذات بھی تھے جن کی تحریر اس کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس نے احتیاط سے بٹوا جیب میں رکھ لیا اور دُکان سے ناشتا خرید کر سلمٰی کے پاس تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا آیا، لیکن اسے یہ دیکھ کر بہت حیرت اور فکر ہوئی کہ وہاں نہ سلمٰی موجود تھی نہ تھیلے اور کمبل۔ اتنے میں اُسے کچھ دُور فاصلے پر سلمٰی کے سِسکنے کی آواز سُنائی دی۔ وہ فوراً دوڑ کر اس کے پاس پہنچا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سلمٰی اپنے ننّھے ننّھے ہاتھوں سے چہرے کو چھپائے رو رہی ہے۔

"کیا ہوا سلمٰی؟ تھیلے کہاں ہیں؟"

سلمٰی نے گلی کی دوسری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا" بھیّا! ایک آدمی مجھ سے چھین کر لے گیا، جب مَیں روئی تو اس نے مجھے زور کا تھپڑ مارا۔" یہ سُن کر عارف کو اس آدمی پر بڑا غصّہ آیا۔ اس نے سلمٰی کو چُپ کراتے ہوئے کہا" کوئی بات نہیں۔ یہی اچھا ہوا کہ وہ تمھیں نہیں لے گیا۔ چلو آؤ اس درخت کے نیچے بیٹھ کر ناشتا کر لیں۔"

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ پھر چل دیے۔ عارف کے خیال میں رحمان پُور اب زیادہ دُور نہ تھا۔ وہ وہاں جلد سے جلد پہنچنا چاہتا تھا۔ اس نے سوچا، نانی کے گھر پہنچ کر وہ سب سے پہلے پولیس کو اغوا کرنے والے گروہ اور اِسمگلروں کے بارے میں اطلاع کر دے گا۔ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ ان کے قریب ایک ٹیکسی آ کر رُکی۔ ٹیکسی والے نے اس کا نام لے کر زور سے کہا" عارف تمھیں رحمان پور جانا ہے نا؟ آؤ بیٹھو ہم تمھیں وہاں لے جائیں گے۔" عارف ہچکچایا۔ وہ سمجھ گیا کہ یہ ضرور کوئی سازش ہے۔ یہ شخص یا تو اسمگلروں کا کوئی ایجنٹ ہے یا کوئی پولیس والا۔ وہ سلمٰی کو لے کر وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا کہ وہ شخص ٹیکسی سے اُتر گیا اور عارف کے سامنے کھڑے ہو کر بولا" ڈرو نہیں، میں تمھیں دھوکا نہیں دے رہا ہوں۔ موسیٰ نے مجھے تمھاری مدد کے لیے بھیجا ہے یہ دیکھو، تم نے اسے یہ انگوٹھی دی تھی نا۔ اس نے مجھے یہ ثبوت کے لیے دی ہے۔" انگوٹھی دیکھ کر عارف کو اطمینان ہو گیا۔ وہ ٹیکسی میں بیٹھ گئے اور ٹیکسی پوری رفتار سے سڑک پر دوڑنے لگی۔

دوپہر ہوتے ہوتے ٹیکسی ایک شہر میں داخل ہوئی۔ ڈرائیور بولا" یہی رحمان پور ہے۔ میں

تمھیں تمھاری نانی کے گھر چھوڑ دوں گا۔" عارف کو یہ سُن کر بہت تعجب ہوا کہ وہ اس کی نانی کو کیسے جانتا ہے۔ ابھی عارف ٹیکسی والے سے کچھ پوچھنا ہی چاہتا تھا کہ ٹیکسی ایک مکان کے سامنے جا کر رُکی۔ ڈرائیور نے انھیں ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "یہی ہے تمھاری نانی کا گھر، اُتر جاؤ۔" جیسے ہی وہ اُترے ٹیکسی وہاں سے روانہ ہو گئی۔ انھوں نے دیکھا کہ مکان کے دروازے پر ایک بوڑھی عورت کھڑی ہے۔ غور سے دیکھنے کے بعد عارف کو اس کی شکل اپنی ماں سے ملتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اب عارف کو یقین ہو گیا کہ یہی اس کی نانی کا گھر ہے۔ اس نے بڑھ کر بڑی بی کا ہاتھ تھام لیا اور بولا، "نانی جان، السّلام علیکم!" سلمیٰ نے بھی سلام کیا۔ بڑی بی نے انھیں کوئی جواب نہیں دیا اور اُنھیں مکان کے اندر لے گئی

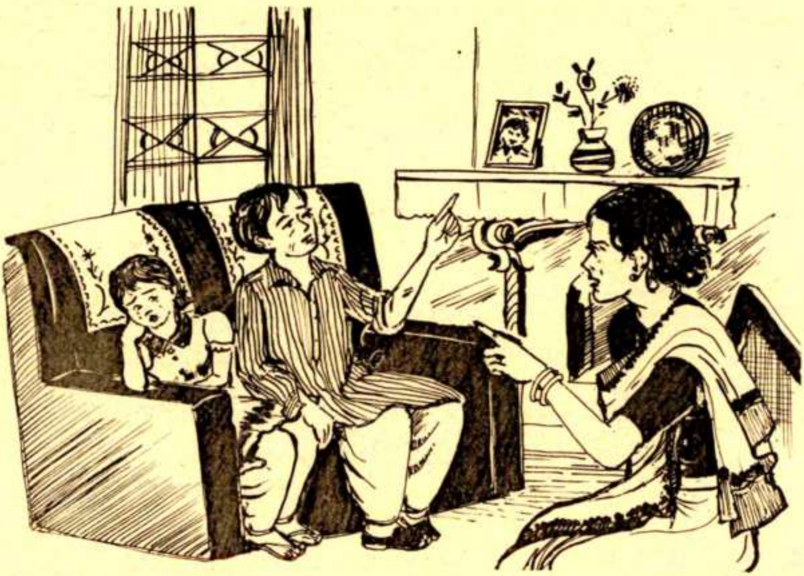
اس نے انھیں ایک کمرے میں جانے کا اشارہ کیا، جہاں سے کسی کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ جوں ہی کمرے میں داخل ہوئے عارف کو یوں لگا جیسے اس کی روح قبض ہو گئی ہے۔ اُسے ٹیکسی والے نے زبردست دھوکا دیا تھا۔ کمرے میں دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بھرے ہوئے جسم والا لمبا شخص تھا جو بڑے قیمتی کپڑے پہنے ہوئے تھا اور دوسرا پولیس کی یونی فارم



میں ملبوس تھا۔ جس کا قریب قریب پورا اثر پٹیوں سے چھپا ہوا تھا۔ عارف دوسرے شخص کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گیا۔ اتنے میں پولیس انسپکٹر فراز اپنی جگہ سے اُٹھا اور عارف کے گال پر دو آتنی زور دار چانٹے مارے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑے۔ اس نے اس پر بھی بس نہ کیا، عارف کا سَر دیوار سے ٹکرایا اور اُسے لاتیں ماریں۔ وہ اُسے اس طرح مارنے لگا جیسے فُٹ بال کو ٹھوکریں مارتے ہیں۔ سلمٰی نے رو رو کر بُرا حال کر لیا، لیکن فراز کو ذرا بھی رحم نہ آیا۔ دوسرے شخص نے کہا، "فراز، بچّہ ہے، اتنا نہ مارو، تم پولیس والوں میں تو رحم نام کی کوئی چیز ہوتی ہی نہیں۔" انسپکٹر فراز غصّے سے بولا، "تمھیں معلوم ہے کہ اس نے میرے ساتھ کیا کِیا؟" اس شخص نے کہا، "ہاں ہاں! تم مجھے ابھی بتا چکے ہو، مگر اس نے ایسا ناسمجھی میں کیا ہے۔" فراز نے کہا، "بڑا ہو کر یہ ملک کا بدترین مجرم بنے گا۔ اگر وہاں سے جلد ہی کسان نہ گزرتے تو میں نہ جانے کب تک بے ہوش پڑا رہتا۔ اس کے خانہ بدوش دوست کی تو میں نے عقل ٹھکانے لگا دی ہے۔ جیل میں سڑ رہا ہے۔ اور اسے بھی میں مسٹر سلمان کے پاس بھیجنے سے پہلے کچھ دن بچّوں کی جیل کی ہوا کھلاؤں گا۔" عارف انسپکٹر فراز کو اسمگلروں کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا تھا، لیکن اس نے ایک نہ سُنی۔ وہ مسلسل عارف کی دُھنائی کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد انسپکٹر فراز کسی کام سے دوسرے کمرے میں گیا۔ اس کے دوست نے دونوں بھائی بہن کو بڑی ہمدردی سے دیکھا اور کہا، "فراز اگرچہ میرا دوست ہے، لیکن بہت سنگ دِل ہے۔ میں تمھیں اُس سے بچنے کی ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ یہ تمھیں شاید آج مکان کے پچھلے کمرے میں بند کر دے۔ تم رات بھر جاگتے رہنا، میں تمھیں کسی طرح سے نکال لوں گا۔" عارف نے اس کا شکریہ ادا کیا اور اُسے احسان مند نظروں سے دیکھنے لگا۔

اتنے میں انسپکٹر فراز ایک بڑا ڈنڈا لے کر کمرے میں آیا اور بے چارے عارف پر برسانا شروع کر دیا، یہاں تک کہ وہ بے حال ہو گیا۔ فراز نے اگرچہ سلمٰی کو چھوا تک نہ تھا، لیکن اس کی حالت بھی اپنے بھائی سے مختلف نہ تھی۔ انسپکٹر فراز جب اسے دِل بھر کے پیٹ چکا تو اس نے بڑھیا کو آواز دی۔ وہ آئی اور انھیں دوسرے کمرے میں لے گئی۔ یہ ایک چھوٹا سا کمرہ تھا۔ جہاں انسپکٹر فراز کی بیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بہت رحم دل معلوم ہوتی تھی۔ انھیں دیکھتے ہی بولی، "فراز کو اتنا نہیں مارنا چاہیے تھا۔" پھر اس نے اُنھیں ایک صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں شکر کہ اس



پر بیٹھ گئے۔ سلمٰی کی روتے روتے ہچکی بندھ گئی تھی۔ عارف درد سے کراہ رہا تھا۔ انسپکٹر فراز کی بیوی نے انھیں چُپ کرانے کی کوشش کی۔ انھیں پانی پینے کو دیا اور کچھ مٹھائی بھی کھانے کو دی۔ اس کی اس ہمدردی سے ان کی کچھ طبیعت سنبھلی، پھر عارف نے کمرے کا جائزہ لیا۔ اُس کی نظر اچانک دیوار پر لٹکی ہوئی ایک تصویر پر آکر ٹھیر گئی۔ وہ خاصی دیر تک اسے ٹکٹکی باندھے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ شکل پہلے بھی دیکھی تھی، لیکن کب؟ اور کہاں؟ ذہن پر کافی زور دینے کے بعد اس نے اپنے دِل میں کہا، بالکل وہی شکل، لیکن وہ شکل بگڑی ہوئی سی تھی۔ اگر زخم کا نشان نہ ہوتا تو یہ شکل بالکل اُسی سے ملتی، پھر وہ اچانک بول پڑا، "کیا یہ ارشد کی تصویر ہے؟" یہ سُن کر فراز کی بیوی چونک پڑی۔ اس نے حیرت اور خوشی کے مِلے جُلے جذبات سے کہا، "ہاں، یہ ارشد کی تصویر ہے، لیکن تم اسے کیسے جانتے ہو؟ وہ کہاں ہے کس حال میں ہے؟" یہ کہہ کر اس کی حالت بدل گئی اور وہ زار و قطار رونے لگی۔

عارف نے مختصراً اپنی رُوداد کہہ سنائی کہ وہ دونوں بھائی بہن کس طرح گھر سے فرار ہوئے۔ انھیں ریل میں لال پگڑی والا ملا جو اپنے مکان میں لے گیا۔ جہاں اس کی ملاقات ارشد سے ہوئی،

پھر پولیس والے کی لاش، بٹوے کا ملنا، ٹرک میں سوار ہونا، پھر منشی اور سلطان کی بات چیت اور سرنگ کے راستے بچ نکلنا. فراز کی بیوی جوں جوں عارف کی داستان سنتی جاتی، توں توں اُس کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا۔ کرم الٰہی کا نام سنتے ہی اس نے فوراً فراز کو آواز دی۔ وہ جب اندر داخل ہوا تو اس نے عارف پر قہر آلود نظریں ڈالیں۔ وہ بولی "کیا تمھارے دوست چلے گئے؟" انسپکٹر بولا "ہاں، ابھی ابھی کرم الٰہی گئے ہیں۔ کیوں کیا بات ہے؟" اس کی بیوی نے عارف کے حوالے سے بتایا کہ یہی تمھارے دوست کرم الٰہی میرے بچّے کے قاتل ہیں۔" پھر اس نے مختصراً عارف کی ارشد سے ملاقات کا ذکر کیا۔ یہ سُن کر انسپکٹر فراز کو اور بھی غصّہ آیا۔ اس نے بڑھ کر عارف کے منھ پر ایک اور زوردار مُکّا مارا۔ اس کا سَر دیوار سے ٹکرا گیا۔

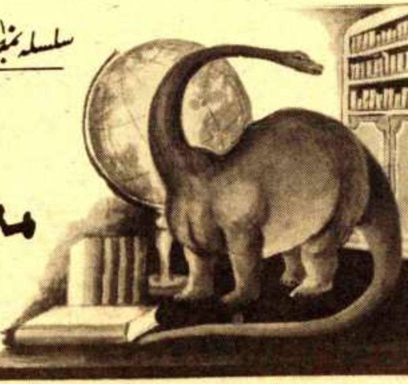
"تم اس شیطان کی بات پر یقین کرتی ہو۔ اس نے تمھاری حمایت حاصل کرنے کے لیے یہ قصّہ گڑھا ہے۔ ہمارا ارشد تو پرانے قلعے کی فصیل سے گہرے کھڈ میں گر گیا ہوگا۔ اس منحوس نے پھر ہمیں اس کی یاد دِلا دی۔"

عارف ہمت کر کے کھڑا ہو گیا اور ڈرتے ڈرتے بولا "آپ کو میری بات کا یقین نہیں آتا تو میں ثبوت کی ایک چیز پیش کر سکتا ہوں۔" یہ کہہ کر اس نے جیب سے بٹوا نکالا، جسے انسپکٹر نے اس کے ہاتھ سے چھین لیا، پھر اس نے بٹوے سے کاغذات نکالے جن میں خفیہ تحریر تھی۔ اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک پیدا ہوئی۔ اس نے کہا "یہ تو ملک کا بہت بڑا اسمگلر اور بچّے اغوا کرنے والے گروہ کا سَرغنہ ہے۔" عارف نے اُسے قبرستان میں سُرنگ کے اندر داخل ہونے کا راستہ بتلایا۔ اس نے انسپکٹر کو یہ بھی بتایا کہ منشی منگل اور بدھ کی درمیانی شب کو سرخ پوائنٹ پر چاول کی بوریاں اسمگل کرنے کے لیے لے جا رہا ہے۔ عارف کو جب یہ معلوم ہوا کہ وہ شخص جو تھوڑی دیر قبل فراز کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اُستاد کرم الٰہی ہے تو اُس نے یہ بھی بتایا کہ کرم الٰہی نے اس سے کہا تھا کہ انھیں انسپکٹر فراز رات کو مکان کے پچھلے کمرے میں بند کر دے گا وہ جاگتے رہیں۔ وہ انھیں نکال کر لے جائے گا۔ انسپکٹر فراز کو اب عارف کی بات پر یقین ہو چلا تھا۔ اس نے دِل میں کہا "آج منگل ہے اور آدھی رات کو سُرخ پوائنٹ پر جا کر چاول کی بوریاں اسمگل ہوتے ہوئے پکڑنا ہے۔" اس نے پھر عارف کی طرف غور سے دیکھا اور کہا "تم ویسا ہی کرنا جیسا کرم الٰہی نے کہا ہے۔ خاموشی سے اس کے ساتھ چلے جانا۔"

(جاری ہے)

سلسلہ نمبر ۲۱۶

معلوماتِ عامّہ



نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵ اپریل ۱۹۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلومات عامہ ۲۱۶ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کیجیے۔

۱ ۔ سورۂ توبہ میں کس مشہور غزوے کا ذکر آیا ہے؟
۲ ۔ مارکو پولو نے "چھوٹا جاوا" کس جزیرے کو کہا تھا؟
۳ ۔ بتائیے زمین کے کتنے فی صد رقبے پر پانی ہے۔
۴ ۔ اگر آپ دو قدم چلیں تو آپ کا بایاں پاؤں کتنی مرتبہ اُٹھے گا؟
۵ ۔ تغلق خاندان کا کون سا بادشاہ سائبان کے گر پڑنے سے جاں بحق ہوا تھا؟
۶ ۔ بتائیے چمپا کلی زیور ہاتھ کی کس انگلی میں پہنا جاتا ہے۔
۷ ۔ کون سا پھل دنیا میں سب سے زیادہ کھایا جاتا ہے؟
۸ ۔ ہانڈی میں ڈالنے والے نمک کا کیمیائی نام بتائیے۔
۹ ۔ بتائیے کس صدی میں ٹماٹر یورپ سے برصغیر پاک و ہند میں پہنچا۔
۱۰ ۔ "دنیا چوکور ہے۔" بتائیے یہ بات سب سے پہلے سقراط نے بتائی تھی یا بقراط نے؟

**

صحت مند نونہال


جمیل احمد خان، کراچی


اظہر علی خان، ٹنڈوالٰہ یار


محمد سلیم، کراچی


ملک عبدالواحد انجم شاہین


غیاث احمد، کراچی


اسد جہانگیر راجا، کھیوڑہ


محمد رضوان صدیقی، کراچی


سید شہریار عالم، کراچی


خرم شہباز، اسلام آباد


خالد محمود، کراچی


محمد ارشد، سرگودھا


یوسف علی، کراچی


محمد سلیم، پیپلاں


نثار عابدی، کراچی

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں: ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

ریختہ : (ف) رے خ تہ : گرا ہوا، ٹپکا ہوا، اردو کا پرانا نام۔

ارتعاش : (ع) اِر تِ عا ش : کانپنا، رعشہ، لرزش

تکلّم : (ع) تَک لُ لُم : بولنا، بات کرنا۔

تخیّل : (ع) تَ خَی یُل : خیال کرنا، خیال میں لانا

سَروَری : (ف) سَر وَ رِی : سرداری، افسری

مُضمر : (ع) مُض مَر : چھپا ہوا، پوشیدہ۔

حلاوت : (ع) حَلا وَت : مٹھاس، شیرینی، لذت، مزہ، راحت، سُکھ، چین، ذائقہ۔

شناور : (ف) شَ نا وَر : پیرنے والا، تیرنے والا۔

بے بضاعت : (ع) بے بِضا عَت : بے سرمایہ، غریب۔

فراست : (ع) فِ را سَت : دانائی، دیکھتے ہی کسی بات کو تاڑ لینا۔

حِلم : (ع) حِل م : بُردباری، برداشت، تحمّل۔

آلام : (ع) آ لا م : الم کی جمع، رنج و غم۔

عافیت : (ع) عا فِ یَت : سلامتی، آرام، نیکی، خیریت، تندرستی۔

فیضان : (ع) فَے ضا ن : فیض پہنچانا، نفع پہنچانا، فائدہ۔

فُجور : (ع) فُ جُو ر : بدکاری، بدچلنی، گناہ گاری۔

فِسق : (ع) فِسق : نافرمانی، حکم عدولی، بدکاری۔

استعداد : (ع) اِس تِع داد : صلاحیت، قابلیت، ملکہ، فطری صلاحیت، آمادہ ہونا۔

صبور : (ع) صَ بُو ر : صابر، بُردبار، صبر کرنے والا۔

تجسّس : (ع) تَ جَس سُس : تلاش، جستجو، تحقیق۔

اعجاز : (ع) اِع جا ز : کرشمہ، معجزہ، جو نبیوں سے ظاہر ہو۔

طَہور : (ع) طَ ہُو ر : پاک کرنے والا، جس میں انتہائی طہارت ہو۔

حُب : (ع) حُب : محبّت، اُنس، دوستی، آشنائی، شوق، آرزو۔

مغفرت : (ع) مَغ فِ رَت : نجات، چھٹکارا، بخشش، معافی، رہائی۔

فضیلت : (ع) فَ ضی لَت : بڑائی، بزرگی، برتری۔

جِدّت : (ع) جِد دَت : تازگی، تازہ پن، نیا پن۔

متحمّل : (ع) مُ تَ حَم مِل : بُردبار، برداشت کرنے والا۔

سعادت : (ع) سَعا دَت : خوش قسمتی، اقبال مندی، نیکی۔

تفریق : (ع) تَف رِیق : علاحدگی، فرق، جدائی، کسی بڑے عدد کو چھوٹے عدد سے گھٹانا، منہائی۔

کُلیل : (ہ) کُ لَیل : گھوڑے کی جست، چار پایہ جانوروں کا خوشی سے اُچھل کود۔

فرزانہ : (ف) فَر زا نہ : دانا، عقل مند۔

محجوب : (ع) مَح جُو ب : پوشیدہ، شرمندہ، چھپا ہوا، پنہاں۔

مُسکراتے رہو





ایک ڈاکٹر صاحب کا ٹی وی خراب ہو گیا۔ میکینک نے فیس چالیس رُپے بتائی اور کہا جو پُرزہ خراب ہوگا، وہ بھی آپ منگوا کر دیں گے۔" ڈاکٹر صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا، "تم تو ہم سے بھی بڑھ گئے۔ ہم تو تیس رُپے فیس لیتے ہیں۔" میکینک نے جواب دیا، "یہ تو ٹھیک ہے، مگر ہم گارنٹی بھی تو دیتے ہیں۔"

مرسلہ: ارشد لطیف خان، کراچی



ایک صاحب سو رہے تھے کہ رات کے دو بجے بڑے زور سے گھنٹی بجی۔ دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہے۔ وہ شخص ان صاحب کو دیکھتے ہی بولا، "بس جناب، میں یہی معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آپ کے گھر بجلی ہے یا نہیں۔"



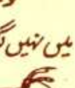
مرسلہ: سید فیصل احمد بخاری، کراچی

مالک: (نوکر سے) آخر تم نوکری کیوں چھوڑ رہے ہو؟

نوکر: اس لیے کہ آپ کو مجھ پر اعتماد نہیں رہا۔

مالک: وہ کیسے؟ گھر کی تمام چابیاں میں نے تمھیں دے رکھی ہیں!

نوکر: لیکن صاحب، ان میں سے ایک بھی تجوری میں نہیں لگتی۔



ایک قوال اپنی پارٹی کے ساتھ ٹرین میں سفر کر رہا تھا۔ گارڈ نے ٹکٹ مانگا تو قوال نے اپنے مخصوص انداز میں کہا:

"جو کچھ بھی مانگنا ہے درِ مصطفےٰ سے مانگ"

گارڈ غصّے سے کہنے لگا، "تمھارے ساتھ اور کون کون ہیں؟" قوال نے کہا:

"میرا کوئی نہیں ہے تیرے سوا"

مرسلہ: عطاء اللہ خان نیازی، کراچی



بحری جہاز طوفان میں گھر چکا تھا۔ ایک شخص خوف زدہ عرشے پر کھڑا تھا۔ دو عورتیں وہاں سے گزریں۔ ایک عورت نے اُسے دیکھتے ہوئے کہا، "تم نے اس آدمی کا زرد رنگ دیکھا؟" دوسری بولی، "ہاں۔"

پہلی عورت پھر بولی، "اس رنگ کی قمیض میں نے خریدی ہے، مگر دوپٹا کہیں نہیں ملا۔"



استاد: (شاگرد سے) بتاؤ، چور کی پہچان کیا ہے؟

شاگرد: سر، اس کی داڑھی میں تنکا ہوتا ہے۔

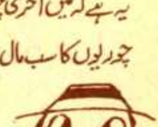
مرسلہ: فرناز اختر، کراچی



جج نے چور سے پوچھا "بتاؤ، تمھاری آخری خواہش کیا ہے؟"

چور نے جواب دیا، "جنابِ عالی! آخری خواہش یہ ہے کہ میں آخری چوری اپنی سسرال میں کروں، کیوں کہ چوریوں کا سب مال میں نے سسرال میں ہی رکھا ہے۔"

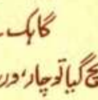
مرسلہ: محبوب الٰہی مخمور، کراچی



ایک آدمی نائی سے شیو کرا رہا تھا۔ اُسترا بہت تیز تھا۔ نائی نے شیو کرتے ہوئے پوچھا، "آپ کے کتنے بھائی ہیں؟"

گاہک نے جواب دیا، "اگر تمھارے اُسترے سے بچ گیا تو چار، ورنہ تین ہی سمجھو۔"

مرسلہ: اطہر حسین، کراچی



مرغی خانے کے ایک ماہر سے ایک خاتون نے ٹیلی فون پر پوچھا، "چوزوں کو کتنی دیر مرغی کے ساتھ رکھنا چاہیے؟" ماہر کسی سے بات چیت میں مصروف تھا، اس نے کہا، "ایک منٹ۔"

"آپ کا بے حد شکریہ۔" خاتون نے کہا اور فون بند کر دیا۔

مرسلہ: سید امین الدین، اسلام آباد



ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا، "آپ کو جنت پسند ہے یا دوزخ؟"

اُس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا، "براہِ کرم، یہ سوال نہ پوچھیے۔"

پہلے نے کہا: "کیوں؟"

"اس لیے کہ میرے احباب دونوں جگہ موجود ہیں۔"

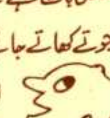
مرسلہ: حافظ احمد ولی اللہ، سکھر



دو بچوں میں لڑائی ہو گئی۔ ایک نے کہا، "میں تمھیں ایسا گھونسا ماروں گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔" دوسرا لڑکا جسے معلوم نہیں تھا کہ چھٹی کا دودھ کیا ہوتا ہے بولا، "میں تمھیں ایسا گھونسا ماروں گا کہ تمھیں میٹرک کا دودھ یاد آجائے گا۔"



ایک آدمی مولوی صاحب کے پاس گیا اور لگا، "حضرت، مجھے کوئی ایسی ترکیب بتائیں کہ میں کھاؤں پیوں بھی اور میرا روزہ بھی نہ ٹوٹے۔" مولوی صاحب حاضر جواب تھے، فوراً بولے، "واہ صاحب، بھلا یہ کیا مشکل بات ہے۔ جائیے اور کسی ہٹے کٹے آدمی کو پکڑ لیجیے، جوتے کھاتے جائیے اور غصہ پیتے جائیے۔ روزہ نہیں ٹوٹے گا۔"



استاد: تم شہد کی مکھی سے کیا سبق سیکھ سکتے ہو۔

شاگرد: جو شخص چھیڑے اسے ڈنک مارو۔

مرسلہ: پروین ظفر، حیدر آباد



حمد

مرسلہ: محمد سلیم طاہر، کراچی

تیری ہی روشنی ہے سورج میں اور قمر میں
انساں سب ہیں یکساں یارب تری نظر میں

جنگل، پہاڑ، دریا تُو نے کیے ہیں پیدا
تُو نے ہی پھل لگائے یارب ہر اک شجر میں

تُو نے بنائی ہر شے خالق ہے تُو جہاں کا
مخلوق سب ہے تیری جو بھی ہے خشک و تر میں

حمد و ثنا سے تیری عاجز ہے سارا عالم
مقدور کس کو ہوگا طاقت کہاں بشر میں

نعت

مرسلہ: ہارون بشیر منذر، لاہور

بڑھتا نہیں ہے حوصلہ میرے شعور کا
کیسے کروں بیان میں رُتبہ حضورؐ کا

اُن کا ہر ایک قول ہے معیارِ زندگی
اُن کا ہر ایک فعل ہے قاتل غرور کا

پیوندِ خاک ہو گئیں گندی سیاستیں
اعجاز تھا یہ آپ کے فکری ظہور کا

اُن کو سکھائے آپ نے اندازِ عاجزی
جن کو تھا ایک عمر سے نشہ غرور کا

او بے ادب! نہ دعوا حُبِ رسولؐ کر
تیرا ہر ایک فعل ہے فسق و فجور کا

لکھا ہے عرض نامۂ غم آپؐ کے حضور
للہ کچھ خیال دلِ ناصبور کا

علم اور اسلام

محمد عمران صدیقی، اسلام آباد

جو شخص علم کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُس کے لیے جنت میں داخلے کی سہولتیں بہم پہنچائے گا۔ فرشتے اُس سے اس قدر خوش ہوں گے کہ اُس کی راہ میں اپنے پروں کو پھیلائیں گے۔ آسمان و زمین میں جس قدر مخلوقات ہیں، یہاں تک کہ وہ مچھلیاں بھی جو پانی میں ہیں، سب علم کی تلاش کرنے والوں کے لیے اللہ سے بخشش و مغفرت

کی دُعا کرتی ہیں۔ ایک عابد و زاہد پر صاحبِ علم کو اُسی قدر فضیلت و برتری حاصل ہے جتنی چودھویں رات کے چاند کو ستاروں پر ہے۔ بے شک، پیغمبروں کے اصلی وارث ہی اہلِ علم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد درہم و دینار نہیں چھوڑا، بلکہ ان کا اصلی ترکہ اور ورثہ یہی علم ہے۔ پس جس شخص نے اِس کو حاصل کر لیا اُس نے بہت بڑی دولت و ثروت پر قبضہ کر لیا۔

شاعرِ مشرق

محمد فیضان، کراچی

شاعرِ مشرق علامہ اقبال ۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کو پاکستان کے شہر سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ علامہ اقبال کو بچّوں سے بہت محبت تھی۔ انھوں نے بچّوں کے لیے پیاری پیاری نظمیں کہیں۔ علامہ اقبال میں فکری صلاحیتیں بچپن ہی سے تھیں۔ وہ اپنے والدین کے فرماں بردار تھے اور استادوں کا ادب کرتے تھے۔

اقبال جب بڑے ہوئے تو مسلمانوں کی بدحالی دیکھ کر بہت فکرمند ہوئے۔ انھوں نے مسلمانوں کی حالت بہتر بنانے، انھیں غفلت سے بیدار کرنے اور حصولِ آزادی کا احساس دلانے کے لیے بہت سی نظمیں کہیں۔ ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کا سالانہ جلسہ ہوا۔ اس کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے اپنی تقریر میں مسلمانوں کے لیے ایک علاحدہ ملک کا تصوّر پیش کیا اور فرمایا میری یہ خواہش ہے کہ پنجاب، شمالی اور مغربی سرحد، سندھ اور بلوچستان کو مِلا کر ایک آزاد مسلم مملکت بنا دی جائے۔ علامہ اقبال نے ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو وفات پائی۔ علامہ کا مزار لاہور میں بادشاہی مسجد کے قریب ہے۔

اپنا پاکستان

مرسلہ: جہانگیر معروف، شاہ پور چاکر

یہ ہے اپنا پاکستان
یہ ہے پیارا پاکستان
اس کی گود کے پالے ہیں
اس کے ہم رکھوالے ہیں
یہ ہے پیارا پاکستان
یہ ہے اپنا پاکستان
جان کو اپنی واریں گے
ہم عزم و ہمت والے ہیں
یہ ہے اپنا پاکستان
یہ ہے پیارا پاکستان

باپ کی نصیحت

محمد قاسم شاہین، کراچی

جب مولا بخش کسان کا آخری وقت آیا تو اس نے اپنے دونوں بیٹوں کو قریب بُلایا اور بڑے بیٹے سجّل سے کہا، "بیٹا سجّل، تم بڑے ہو اور تمھارا بھائی بچّل تم سے چھوٹا ہے۔ تم پچیس سال کے ہو اور بچّل پندرہ سال کا ہے۔ تم اس سے دس سال بڑے ہو۔ جب بچّل دو سال

کا تھا تو تمھاری والدہ کا انتقال ہو گیا۔ میں نے تم دونوں بہن بھائیوں کو ماں اور باپ دونوں کا پیار دیا ہے اور تم دونوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے آج اتنے بڑے ہوئے۔ بچل تمھارا چھوٹا بھائی ہے اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دینا۔ تم شادی شدہ ہو اور تمھارے دو بچے بھی ہیں۔ بچّل کو تم اپنے بچّوں کی طرح عزیز رکھنا۔ آج سے تم اس کے باپ کی جگہ ہو۔ اگر اُس کو تم نے دکھ دیا تو میری روح کو تکلیف پہنچے گی۔" بچّل نے اپنے چھوٹے بھائی کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، "بابا جان، آپ فکر نہ کریں۔ آپ نے جیسا کہا میں ویسا ہی کروں گا۔ آخر یہ میرا بھائی ہے۔" پھر باپ نے اپنے چھوٹے بیٹے سے کہا، "بیٹا بچّل، آج سے سچّل تمھارے باپ کی جگہ ہے۔ یہ جو کچھ کہے اس کے کہنے کو کبھی نہ ٹالنا اور تم دونوں آپس میں مل جُل کر رہنا۔ تم دونوں کو میں نے خدا کے حوالے کیا۔" یہ نصیحت کرنے کے بعد مولا بخش کسان نے اپنے دونوں بیٹوں کو سینے سے لگایا اور پھر اس کا انتقال ہو گیا۔

دونوں بھائیوں کو باپ کے مرنے کا بہت غم ہوا۔ پھر دونوں بھائیوں نے باپ کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے مل جُل کر خوب محنت کی اور اپنی زمین کے ہر کونے کو ہرا بھرا کر دیا۔ فصل بہت ہی اچھی ہوئی۔ ان کی فصل دیکھ کر گاؤں کے سب لوگ دونوں بھائیوں کی تعریف کرنے لگے۔ دونوں بھائیوں نے مل جُل کر تیار فصل کاٹی اور گھر کی ضرورت کے لیے رکھ کر باقی سب اناج بیچ دیا۔ جس میں دونوں بھائیوں کو ایک لاکھ رُپے کا منافع ہوا۔ دونوں بھائیوں نے اس منافع کو آدھا آدھا بانٹ لیا اور اپنی اپنی رقم بینک میں جمع کروا دی۔ کچھ عرصے کے بعد چھوٹے بھائی کے دل میں خیال آیا کہ میرا بڑا بھائی سچّل میرا بہت خیال رکھتا ہے۔ اس کے بچّے بھی مجھے بہت چاہتے ہیں اور بھابی نورا بھی میرا بہت خیال رکھتی ہے۔ میرے پاس جو پچاس ہزار رُپے ہیں وہ میرے لیے بہت ہیں۔ کیوں نہ میں اپنے پچاس ہزار رُپے میں سے چالیس ہزار رُپے اپنے بڑے بھائی کو دے دوں۔ مجھ سے زیادہ تو اس کا خرچ ہوتا ہے۔ یہ سوچ کر بچّل بینک گیا اور بینک مینجر سے کہا، "میں اپنے پچاس ہزار رُپے میں سے چالیس ہزار رُپے اپنے بڑے بھائی سچّل کے اکاؤنٹ میں جمع کرانا چاہتا ہوں۔" بینک مینجر نے کہا، "جیسی آپ کی مرضی، ویسے آپ کے بڑے بھائی کے اکاؤنٹ میں بھی پچاس ہزار رُپے ہیں۔" بچّل نے کہا کہ سچّل میرا بڑا بھائی ہے اور اس کا خرچ مجھ سے زیادہ ہے۔ یہ کہہ کر چالیس ہزار رُپے اپنے بڑے بھائی کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیے۔

ایک دن بڑے بھائی سچّل کو بھی ایسا ہی خیال آیا کہ میرے پاس جو پچاس ہزار رُپے ہیں وہ میرے لیے بہت ہیں۔ میری تو شادی بھی ہو چکی ہے۔ اور یہ میرا چھوٹا بھائی بچّل اب جوان ہو گیا ہے۔ کیوں نہ میں اپنے پچاس ہزار رُپے میں سے چالیس ہزار رُپے اپنے چھوٹے بھائی کے نام پر کر دوں، تاکہ اس کی بڑی دھوم دھام سے شادی ہو جائے۔ یہ سوچ کر سچّل بینک گیا اور بینک مینجر سے کہا، "میرے پاس جو پچاس ہزار رُپے ہیں۔۔۔۔۔" ابھی سچّل کی

بات پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ بینک مینجر نے کہا، "سچّل صاحب آپ کے پاس تو اب نوّے ہزار رُپے ہیں۔" سچّل یہ سُن کر بہت حیران ہوا کہ نوّے ہزار رُپے کہاں سے آئے؟ میرے پاس تو صرف پچاس ہزار رُپے تھے۔ سچّل نے بینک مینجر سے پوچھا کہ صاحب یہ نوّے ہزار رُپے کہاں سے آئے، کیوں کہ میرے پاس تو صرف پچاس ہزار رُپے تھے۔ بینک مینجر یہ سُن کر مسکرایا اور سچّل کو تمام واقعہ سُنایا تو سچّل بچّل کے اس عمل سے بہت متاثر ہوا۔ اور پھر بینک مینجر سے کہا کہ میرے نوّے ہزار رُپے میں سے اب اسّی ہزار رُپے میرے چھوٹے بھائی بچّل کے اکاؤنٹ میں جمع کر دو۔ اس طرح اسّی ہزار رُپے اپنے چھوٹے بھائی بچّل کے اکاؤنٹ میں جمع کرا دیے۔

دونوں بھائی مل جُل کر محنت کرتے رہے اور ان کی زمینیں سونا اُگلتی رہیں۔

تارے

مرسلہ: خورشید کریم، کراچی

تارے ہمارے پیارے پیارے
ہم سب کی آنکھوں کے تارے

راہ ہمیں دکھلاتے ہیں یہ
سوئے ہوؤں کو جگاتے ہیں یہ

چُھپتے ہی سورج آتے ہیں یہ
آنکھوں میں کُھب جاتے ہیں یہ

تارے ہمارے پیارے پیارے
ہم سب کی آنکھوں کے تارے

کام ہمارے آتے ہیں یہ
صبح سویرے جاتے ہیں یہ

رات کو پھر آجاتے ہیں یہ
دنیا کو چمکاتے ہیں یہ

علامہ اقبال

سید ابوالحسنات، کراچی

علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ایک عظیم شاعر اور مفکّر تھے۔ آپ ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی۔ یہیں انھیں شمس العلما مولوی سید میر حسن



جیسے عربی فارسی کے ممتاز فاضل کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔

ایف اے پاس کرنے کے بعد آپ لاہور آ گئے۔ آپ نے بی۔ اے تک امتیازی حیثیت سے تعلیم حاصل کی اور ایم اے میں فلسفہ کے مضمون کی تیاری کرنے لگے۔ خوش قسمتی سے آپ کو پروفیسر آرنلڈ جیسا محقّق استاد مل گیا۔ جس نے آپ کی شخصیت میں استعداد اور تجسّس کا مادہ کوٹ کوٹ کر بھر دیا۔

آپ کی سب سے پہلی نظم ہمالہ ہے۔ یہ نظم اپنی جدّت اور روانی کی وجہ سے بہت پسند کی گئی۔

ایم۔ اے کرنے کے بعد آپ پہلے اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج میں پروفیسر رہے۔ قانون کی اعلا تعلیم کے لیے ۱۹۰۵ء میں آپ انگلینڈ گئے اور ۱۹۰۸ء تک یورپ میں آپ کا قیام رہا۔

قیام انگلستان کے دوران آپ نے ارادہ کیا کہ آپ شعر نہیں کہیں گے، لیکن پروفیسر آرنلڈ کے کہنے پر آپ نے اس ارادے کو عملی جامہ نہ پہنایا۔ اس وقت آپ کی طبیعت زوروں پر تھی۔ ایک ہی نشست میں بیسیوں شعر ہو جاتے تھے اور خدا نے ذہن اور حافظہ بھی ایسا اعلا بخشا تھا کہ تمام شعر اسی ترتیب سے ذہن میں محفوظ رہتے تھے۔

اقبال نے غالب کی طرح فلسفے کو شعر اور شعر کو فلسفہ بنا دیا۔ اسی میں ان کی عظمت کا راز پوشیدہ ہے۔

جب اردو زبان آپ کے فلسفیانہ خیالات کی متحمل نہ ہو سکی تو آپ نے فارسی میں شعر کہنے شروع کیے۔ آپ کی شاعری کا یہ دور ۱۹۰۸ء کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ اس طرح آپ کا کلام ہند کی سرحدیں پار کر کے ساری اسلامی دنیا میں پہنچ گیا۔ اب یورپ اور امریکا کو بھی اقبال کی عظمت کا احساس ہوا۔ قوم نے آپ کو ترجمانِ حقیقت، شاعرِ مشرق اور حکیم الامت کے خطابات سے نوازا اور حکومتِ برطانیہ نے "سر" کا خطاب دیا۔

آپ کی شاعری قومی شاعری ہے۔ آپ کے شعری مجموعے بانگِ درا، بالِ جبریل اور ضربِ کلیم میں شامل نظموں نے سوئی ہوئی قوم کو بیدار کیا۔ اگر آج کے حالات کا بہ غور مطالعہ کیا جائے تو آپ کا کلام الہامی معلوم ہوتا ہے۔

چند یادگار دن لکھنؤ میں

حافظ محمد زبیر فضل، کراچی

بھارت کے وسیع و عریض نقشے پر جب میری نظر پڑتی تھی تو دل میں اس ملک کی سیر کرنے کی خواہش پیدا ہو جاتی تھی۔ ہم نے کئی بار اپنے والد محترم سے اس خواہش کا اظہار کیا۔ والد صاحب نے فرمایا کہ پہلے تم قرآن مجید حفظ کر لو پھر بھارت کی سیر کو چلیں گے۔

۱۹۸۳ء میری خواہش کی تکمیل کا سال بن کر آیا۔ اس سال ہمارا بھارت جانے کا پروگرام بن گیا۔ ہم اپنے والدین تین بھائیوں اور ایک بہن کے ساتھ بھارت روانہ ہوئے۔ کراچی سے سپر ایکسپریس کے ذریعے سے شام پانچ بجے روانہ ہوئے اور صبح دس بجے لاہور پہنچے۔ لاہور میں ہمارے نانا نانی، ماموں، خالہ اور دوسرے رشتے دار رہتے ہیں جو ہمیں اسٹیشن پر لینے آئے ہوئے تھے۔ چار دن تک ہم لاہور میں اپنی نانی کے ہاں رہے۔ اس دوران میں ہمارے ابّو نے انڈین ایئرلائن کے طیارے میں سیٹیں حاصل کیں اور ہم خوشی خوشی لاہور ایئرپورٹ روانہ ہوئے۔ یہاں کسٹم کے مراحل سے گزرنا پڑا یعنی ہمارے پاس پورٹ، نقدی اور سامان وغیرہ چیک کیا گیا۔

ہمارے دل خوشی سے اس وقت جھومنے لگے جب ہم نے انڈین ایئرلائن کا طیارہ لاہور ایئرپورٹ پر دیکھا اور ہم لوگ طیارے کی طرف چل دیے اور خوشی خوشی طیارے میں داخل ہو کر اپنی سیٹوں پر بیٹھ گئے۔ طیارے میں سفر کا یہ پہلا موقع تھا، اس لیے خوشی کے ساتھ ساتھ کچھ خوف بھی تھا۔ چند منٹ بعد جہاز نے پرواز کا اعلان کیا اور مسافروں کو ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ وہ اپنی بیلٹ باندھ لیں۔ جیسے ہی جہاز نے اُڑنا شروع کیا میں نے محسوس کیا کہ

میں الف لیلیٰ کا شہزادہ بن گیا ہوں اور اُڑن کھٹولے پر اُڑ رہا ہوں۔

ایئر ہوسٹس نے ہم کو کھانا، مشروبات، ٹافیاں، مٹھائیاں اور پھل پیش کیے۔ تیس منٹ بعد اعلان ہوا کہ طیارہ دہلی پر پرواز کر رہا ہے۔ مسافر اُترنے کے لیے تیار ہو جائیں اور سب اپنی اپنی بیلٹ باندھ لیں۔ چناں چہ جیسے ہی طیارہ دہلی ایئر پورٹ پر اُترا ہم لوگ تیار تھے۔ تھوڑی دیر میں سیڑھی لگی تو ہم سیڑھی سے نیچے اُترے۔ اب ہم بھارت کی سرزمین پر کھڑے تھے۔ ہمیں یہ ایک خواب معلوم ہوا۔

یہاں کے کسٹم کے عملے نے ہمارے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ہمیں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں ہوئی، پھر ہم ٹیکسی کے ذریعے سے ہوٹل ڈی رومانہ پہنچے۔ غسل کیا۔ چائے پی کر آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب اُٹھے اور ہندستان کی سب سے بڑی تاریخی مسجد یعنی جامع مسجد دیکھی جس کو مغل شہنشاہ شاہ جہاں نے تعمیر کیا تھا۔ یہ مسجد آج بھی سیاحوں کے لیے کشش رکھتی ہے۔ دوسرے دن ہم نے دہلی کے تاریخی مقامات دیکھے، جن میں قطب مینار، لال قلعہ اور حضرت نظام الدین اولیا رحمتہ اللہ علیہ کا مزار قابلِ ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ گیٹ وے آف انڈیا، گاندھی جی کی سمادھی کی سیر کی۔ پانچ دن دہلی کی خوب سیر کی۔

دہلی سے لکھنؤ کے سفر کا پروگرام طے ہوا، جس کے لیے ہمارے ابّو بہت بے تاب تھے کہ کسی طرح اپنے استاد محترم مولانا حضرت سید ابوالحسن علی ندوی سے جلد ملاقات ہو جائے۔ چناں چہ ہم گومتی ایکسپریس سے لکھنؤ روانہ ہوئے اور سات گھنٹے میں لکھنؤ پہنچے۔ اسٹیشن پر ندوۃ العلما کی طرف سے گاڑی لینے آئی ہوئی تھی اور استقبال کے لیے ہمارے ابّو کے دوست آئے تھے۔ چناں چہ گاڑی میں سامان رکھ کر ہم لوگ دارالعلوم ندوۃ العلما روانہ ہو گئے۔ رات کے گیارہ بج رہے تھے۔ ہم لوگ دارالعلوم کے مہمان خانے میں سو گئے۔ فجر کی نماز کے بعد ہندستان اور دنیا کے مشہور عالم مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ جن کی شاہ کار تصانیف کے پاکستان میں ناشر ہمارے ابّو جناب فضل ربی ندوی ہیں ملاقات ہوئی۔ موصوف نے ہم لوگوں سے ملاقات کی خاطر اپنی مصروفیات ملتوی کر دیں اور مجھ کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مولانا موصوف نے عربی کی بسم اللہ کرائی۔

دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ ایک تحریک کا نام ہے جہاں جدید و قدیم کی تفریق کو ختم کر کے ایسا نصابِ تعلیم بنایا گیا ہے جس میں قرآن، حدیث، فقہ، جدید عربی زبان اور دوسرے اسلامی علوم کے ساتھ انگریزی، جغرافیہ، سائنس، حساب اور جدید علوم کو یک جا کر دیا گیا ہے تاکہ یہاں کا پڑھا ہوا دین کے مسائل جاننے کے ساتھ حالاتِ حاضرہ اور دنیا کے دوسرے شعبوں کو بھی سمجھ سکے۔ اس تحریک کا نام تحریک ندوۃ العلما ہے جس نے بڑے بڑے قابل علما پیدا کیے جن میں سرِ فہرست علاّمہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی، مولانا عمران خان ندوی، مولانا محمد ناظم ندوی، مولانا عبدالقدوس ہاشمی، مولانا مسعود عالم ندوی، مولانا شاہ

معین الدین ندوی، مولانا عبد الباری ندوی اور مولانا وصی مظہر ندوی قابلِ ذکر ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلما کی عمارت بڑی عالی شان ہے۔ دیکھنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ بادشاہ کا محل ہے۔ جب ہمارے ابّو پڑھتے تھے تو صرف دو ہاسٹل تھے۔ اب وہاں کئی ہاسٹل تعمیر ہو گئے ہیں اور بہت سی نئی عمارتیں تعمیر ہو گئی ہیں، جہاں تقریباً ایک ہزار طالب علم رہتے ہیں۔ وہاں پر ایک بڑا کتب خانہ بھی ہے جس میں لاکھوں قیمتی علمی نایاب کتابیں ہیں۔ ایک بہت ہی خوب صورت مسجد ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے ہزاروں مسلمان طالب علم علمِ دین حاصل کرنے کے لیے اس دارالعلوم میں آتے ہیں۔

میرے اندر بھی خواہش پیدا ہوئی کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلما میں تعلیم حاصل کروں، لیکن افسوس کہ ہندستان اور پاکستان کے درمیان تعلیمی سہولت نہیں ہے۔ لکھنؤ بہت ہی خوب صورت باغوں کا شہر ہے۔ یہاں تاریخی مقامات بھی ہیں جن میں نواب واجد علی شاہ کا محل قیصر باغ، امام باڑے اور بیلی گارڈ قابلِ ذکر ہیں۔ شہر کے بیچ میں ایک دریا بہتا ہے جس کو دریائے گومتی کہا جاتا ہے۔ لکھنؤ کے بازاروں میں امین آباد اور حضرت گنج قابلِ ذکر ہیں۔ لکھنؤ کا ریلوے اسٹیشن چار باغ کہلاتا ہے اور بہت بڑا اور خوب صورت ہے۔ لکھنؤ کے چند یادگار دن میرے ذہن میں ابھی تک تازہ ہیں جہاں چند دن رہ کر پھر ہم اگلے سفر کلکتہ کے لیے روانہ ہو گئے۔

بلّی کے بچّے

مرسلہ: عبدالمجید رشتی بلوچ

یہ بلّی کے بچّے ہیں جو کھیلتے ہیں
اُچکتے ہیں یہ اور ڈنڑ پیلتے ہیں
ادھر سے اُدھر خوب کر کے کُلیل
یہ ماں کو دکھاتے ہیں سب اپنے کھیل
کبھی کھیل میں خوب لڑتے ہیں یہ
کبھی منھ سے منھ کو رگڑتے ہیں یہ
سِکھاتی ہے ماں اِن کو کرنا شکار
جھپٹ کر یہ کرتے ہے چوہوں پہ وار
شکاری بنیں گے جو ہوں گے جواں
نہ چڑیاں بچیں گی نہ پھر مُرغیاں

روپ بہروپ

محمد اسلم قریشی، ٹنڈوالہ یار

"امّی.... امّی! ایک فقیر آیا ہے۔" عارفہ نے تیز تیز قدموں سے صغرا بیگم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ "تو پھر میں کیا کروں؟" "کچھ دے کر ٹال دو۔" صغرا بیگم نے بدستور سوئٹر بنتے ہوئے جواب دیا۔ "امّی، وہ فقط فقیر ہی نہیں ہے بلکہ....." جان محمد صاحب جو اخبار پڑھ رہے تھے عارفہ کی طرف چونک کر دیکھنے لگے۔ یوسف اور سعیدہ بھی اپنی کتابیں پڑھتے پڑھتے رُک کر عارفہ کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ نجومی ہے اور تعویذ بھی دیتا ہے۔ عارفہ نے اپنا ادھورا

جملہ مکمل کیا، "آپی، پھر بُلا لاؤ نا، کھڑی پوچھ کیوں رہی ہو؟ تعویذ لے لیں گے۔" یوسف یہ کہہ کر کتابیں رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ ساتھ ہی سعیدہ بھی کھڑی ہو گئی۔ عارفہ تو اسی انتظار میں تھی کہ کوئی کہے اور وہ جھٹ فقیر کو لے آئے۔ بھاگ کر گئی اور ایک لحیم شحیم شخص کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ سفید ریش، سفید مونچھیں، گندمی رنگ، اس پر کہیں کہیں سیاہ داغ، میلے کپڑے، پھٹا ہوا جوتا، سَر پر ٹوپی اور کمر پر تھیلا لٹکا ہوا تھا۔ سلام کرنے کے بعد وہ فرش پر بیٹھ گیا۔ تھیلا اُتار کر سامنے رکھا۔ پھر اس نے پوچھا، "ہاں تو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟"

جان محمد صاحب کو یقین نہیں تھا کہ یہ واقعی نجوم جانتا ہے۔ "ہمیں یقین نہیں آتا کہ تم علمِ نجوم جانتے ہو۔ ثبوت کے طور پر کچھ کر کے دکھاؤ تو جانیں۔" فقیر مسکرایا اور کہنے لگا، "چینی کا ڈبّا لے کر آؤ۔" سعیدہ بھاگ کر چینی کا ڈبّا لے آئی۔ ڈبّا بند تھا۔ فقیر نے چند عجیب و غریب الفاظ پڑھے اور پھر ڈبّے پر پھونک ماری اور ڈبّا کھولنے کو کہا۔ اب جو ڈبّا کھولا گیا تو ڈبّے میں چینی کے بجائے مٹی نکلی۔ یہ دیکھ کر سب حیران رہ گئے۔ اب سب لوگوں کو فقیر بابا کی کرامات کا یقین ہو چکا تھا۔ صغرا بیگم نے فقیر بابا کو اپنا ہاتھ دکھایا اور اپنے نکمّے بیٹے سلیم کے لیے تعویذ لیا جو ہر وقت شرارتیں کرتا رہتا تھا اور بالکل نہیں پڑھتا تھا۔ پھر یوسف اور سعیدہ نے بھی امتحان میں کام یابی کے لیے تعویذ لیے۔ جان محمد صاحب نے صرف اپنے کاروبار کے متعلق پوچھا۔ عارفہ نے نہ کچھ پوچھا اور نہ تعویذ لیا۔ فقیر نے عارفہ سے بھی کہا کہ کچھ لینا ہے تو لے لو، مگر عارفہ نے صاف انکار کر دیا۔ جب تعویذ دینے کے بعد فقیر نے پچیس رُپے مانگے تو سب حیران رہ گئے۔ کہ چار تعویذوں اور ایک ہاتھ دیکھنے کے پچیس رُپے۔ اب تو تعویذ لے لیے تھے لہٰذا سب نے اپنے اپنے تعویذوں کے پیسے دے کر فقیر کو رخصت کیا۔ اگلے دن وہ پھر آن دھمکا۔ عارفہ اُسے اندر بُلا لائی۔ جونہی فقیر اندر آ کر بیٹھا یوسف اُٹھ کھڑا ہوا اور سب کو مخاطب کر کے کہنے لگا، "آپ اس فقیر کو اچھی طرح دیکھ لیں، اس کی آواز پر غور کریں۔" سب حیران تھے کہ یہ کیا کہہ رہا ہے۔ فقیر گھبرا گیا اور عارفہ خوف سے کانپ گئی۔ "یہ نقلی فقیر ہے۔ اس نے رُوپ بدلا ہے۔ میں اس کا اصلی روپ دکھاتا ہوں" یہ کہہ کر یوسف نے فقیر کی داڑھی مونچھیں نوچ لیں اور تب سوائے عارفہ اور یوسف کے سب حیران ہو گئے، کیوں کہ فقیر بابا کی داڑھی مونچھیں یوسف کے ہاتھ میں تھیں اور فقیر کی جگہ سلیم کھڑا تھا۔ جب یوسف سے پوچھا گیا کہ تمھیں فقیر کی اصلیت کا علم کیسے ہوا تو اس نے جواب دیا کہ رات کو میں نے چھُپ کر عارفہ اور سلیم کی باتیں سُنیں۔ یہ دونوں جھگڑ رہے تھے۔ سلیم کہہ رہا تھا کہ میں زیادہ پیسے لوں گا، کیوں کہ میں نے فقیر کا روپ بھرا، اور عارفہ کا مطالبہ تھا کہ زائد پیسوں کی حقدار میں ہوں، کیوں کہ میں نے یہ ترکیب بتلائی۔ تمھارا میک اپ کیا، تمھیں آواز بدلنا سکھائی اور چینی کے ڈبّے میں مٹی بھری۔ اتنا کہہ کر یوسف خاموش ہو گیا اور ابّا جان نے سلیم کی پٹائی شروع کر دی۔ اس دوران عارفہ موقع سے فائدہ اُٹھا کر کمرے

سے جا چکی تھی۔

صبر و تحمّل

عبید اللہ شاد بلوچ، چاہ سر

صبر و تحمّل کے معنی برداشت اور بُردباری کے ہیں۔ اگر کوئی شخص صبر و تحمّل سے کام لے تو کام یاب ہوتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام خدا کے پیغمبر تھے۔ انھوں نے صبر و تحمّل سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں کام یابی عطا فرمائی۔ آج بھی ہم "صبر ایوبی" کہہ کر حضرت ایوبؑ کے صبر کی مثال دیتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو اگر کبھی غصّہ آتا تو آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو جاتا، لیکن آپ زبان سے کچھ نہ فرماتے تھے، بلکہ برداشت کرتے تھے۔ مکّے کے کُفّار آپؐ پر پتھر پھینکتے تھے۔ راستے میں کانٹے بچھا دیتے۔ گلے میں چادر ڈال کر کھینچتے تھے، مگر آپؐ تحمّل سے کام لیتے، یہاں تک کہ کنواں کھودتے تاکہ آپؐ اس میں گر جائیں۔

ایک واقعہ مشہور ہے کہ حضرت امام جعفر صادقؒ کا ایک خادم آپ کے ہاتھ دُھلا رہا تھا کہ لوٹا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر تشت میں گر گیا۔ چھینٹے اُڑ کر آپ کے چہرۂ مبارک پر پڑے تو آپ نے خفگی کی نظروں سے اسے دیکھا، لیکن زبان سے کچھ نہ فرمایا۔ خادم نے عرض کیا، "اے میرے آقا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ غصّے کو پی جانے والے......" آپ نے فرمایا، "میں نے اپنا غصّہ پی لیا۔"

اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا، "اور لوگوں کو معاف کرنے والے......" آپ نے فرمایا، "میں نے تجھے معاف کیا۔" وہ بولا، "اور احسان کرنے والوں کو بھی پسند کرتا ہے۔" آپ نے فرمایا، "جا میں نے تجھے اللہ کی خوشنودی کے لیے آزاد کیا۔"

بعض بچّے اپنے والدین کی نافرمانی کرتے ہیں۔ والدین نصیحتیں اور اچھی باتیں کرتے ہیں تو وہ غصّے سے آگ بگولا ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض بچّے اپنے والدین کو بُرا بھلا بھی کہتے ہیں۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بے ادبی اور گستاخی ہے۔ والدین سے گستاخی کرنے والے دنیا میں بھی ذلیل ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذاب ہے۔

اقبال

مرسلہ: محمود ہارون چھوٹانی، کراچی

تُو نے ہمیں اسلام کی تعلیم سکھائی
تُو نے ہمیں عزّت کی نئی راہ دکھائی
قرآن کی تعلیم ہمیں یاد دلائی
احسان نہ بھولیں گے کبھی ہم ترا اقبال

تُو نے ہمیں اسلام کا پیغام سُنایا
اسلام کے سوتے ہوئے شیروں کو جگایا
اسلام کی خاطر نیا اِک ملک بنایا
احسان نہ بھولیں گے کبھی ہم ترا اقبال

اس بات کی دیتا ہے ہر اک شخص گواہی
اقبال تو ملّت کا تھا بے باک سپاہی
اس بات کا اب تجھ کو صلہ دے گا خدا ہی
احسان نہ بھولیں گے کبھی ہم ترا اقبال

اقبال کا پیغام

عابد حسین کاشف، میانوالی

مدّت گزری عین اس وقت جب کہ پاک و ہندوستان پر غلامی کے بادل منڈلا رہے تھے۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ ایک شمع روشن ہوئی جس کی روشنی سے لوگوں میں نیا شعور پیدا ہوا اور مُردہ قوم میں نئی روح پیدا ہو گئی۔ وہ شمع تو بُجھ گئی، لیکن اس کی روشنی سے اس طرح اُجالا پھیلا کہ لوگ صحیح راہوں پر چلتے رہے۔ آخر ایک دن منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کام یاب ہو گئے۔ یہ شمع علامّہ اقبال تھے اور جو روشنی باقی رہ گئی ان کا کلام تھا۔

علامّہ اقبال نومبر ۱۸۷۷ء کو سیال کوٹ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد کالج میں داخل ہوئے۔ وہاں پر مولوی میر حسن جیسے عظیم استاد سے فیض یاب ہونے کا سنہری موقع میسر ہوا۔ ایف۔ اے کرنے کے بعد گورنمنٹ کالج میں داخل ہوئے اور وہاں پر سر آرنلڈ سے بہرہ ور ہونے کا موقع ملا۔ ایم اے کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے انگلستان چلے گئے۔ قانون اور پی ایچ ڈی کی ڈگری جرمنی سے حاصل کی۔ وطن واپس آئے تو آپ نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود کا بیڑا اُٹھایا اور مسلم قوم کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنے کے لیے کوشاں ہو گئے۔ آپ کی شاعری کا مقصد مسلمانوں میں بیداری کا جذبہ پیدا کرنا تھا۔ آپ ہر وقت مسلم قوم کی ترقی کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ علامّہ اقبال ایک عظیم انسان تھے۔ وہ نہ صرف پاک و ہند بلکہ تمام عالمِ اسلام کی ایک عظیم المرتبت شخصیت تھے۔ ایسی شخصیت جس نے غلاموں میں آزادی کی روح پھُونکی، جس نے ایک مایوس، شکست خوردہ، غلام اور پست ہمت قوم کو اس قابل بنا دیا کہ وہ انگڑائی لے کر اُٹھی اور غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر رکھ دیا۔ آخر یہ رہبرِ فرزانہ اور ارضِ مشرق کا عظیم انسان ۲۱۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو ہم سے ہمیشہ کے لیے جُدا ہو گیا۔ آپ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہم آپ کے بتائے ہوئے اصولوں کو مشعلِ راہ بنائیں۔ آج ہم تاریخ کے جس موڑ پر کھڑے ہیں، اس اہم اور نازک مرحلے میں علامّہ اقبال کی عظیم شخصیت ہماری رہنمائی کر سکتی ہے۔ آپ کی روح آج بھی ہم سے کہہ رہی ہے:

یقیں محکم، عمل پیہم، محبّت فاتحِ عالم

بدی کا چکّر

شاہد ریاض، کراچی

حلب کے قریب ایک بہت گھنے جنگل میں بہ کثرت جنگلی جانور رہا کرتے تھے۔ ایک دن ایک چوہے کو نہ جانے کیا سوجھی کہ ایک درخت کی جڑ کاٹنی شروع کر دی۔ درخت

زبانِ حال سے فریاد کرنے لگا کہ اے ظالم! کیوں میری جان کی رگوں کو کاٹتا ہے اور کیوں مسافروں کو میرے سائے اور پھل سے محروم کرتا ہے۔ چوہے نے درخت کی آہ وزاری کی پروانہ کی اور اپنے کام میں مشغول رہا۔ اتنے میں ایک سانپ منھ کھولے ہوئے آیا اور ایک دم چوہے کو نگل گیا۔ سانپ چوہے کو نگل کر درخت تلے کنڈلی مار کر بیٹھ گیا چند لمحے گزرے تھے کہ ایک سیہ کہیں سے آئی اور اس نے آتے ہی سانپ کی دُم منھ میں پکڑ کر اپنا سر چھپالیا۔ سانپ نے جھنجلا کر اپنے کو پٹکنا شروع کیا۔ یہاں تک کہ سیہ کے کانٹوں سے اس کا تمام بدن چھلنی اور لہولہان ہوگیا اور وہ مر گیا۔ سانپ کو کھانے کے بعد سیہ نے پھر اپنا سر اور ٹانگیں سکیڑلیں اور گیند کی طرح گول مول ہو کر پڑ گئی۔ اتنے میں ایک لومڑی نمودار ہوئی تو سیہ کو دیکھ کر سمجھ گئی کہ لقمہ تو تر ہے، مگر کانٹوں کی وجہ سے چالاکی کے بغیر کام نہیں چلے گا۔ سیہ کو پیٹ کے بل اُلٹ کر اس کے پیٹ پر پیشاب کر دیا۔ سیہ نے سمجھا مینہ برس رہا ہے۔ سَر باہر نکالا۔ لومڑی نے لپک کر گردن ناپی اور سَر الگ کر کے باقی گوشت پوست کھا گئی۔ فارغ ہی ہوئی تھی کہ ایک کتا بھاگتا ہوا آیا اور لومڑی کو پھاڑ کر کھا گیا۔ لومڑی کو کھا کر کتا وہیں لیٹ کر سو گیا۔ اتنے میں ایک چیتا جنگل سے نکلا اور سوتے ہوئے کتے پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا۔ اتفاق سے یہ چیتا کسی شکاری کی گھات سے نکل کر بھاگا تھا۔ شکاری نے جب یہ دیکھا کہ چیتا کتے کے کھانے میں مشغول ہے تو ایک تیر ایسا پھینکا کہ دائیں پہلو سے داخل ہو کر بائیں پہلو میں داخل ہو گیا اور چیتا وہیں ڈھیر ہو گیا۔ چیتا ابھی پوری طرح ٹھنڈا بھی نہیں ہوا تھا کہ شکاری نے کھال اُتارنی شروع کر دی۔ کھال کھینچ کر روانہ ہونے کو تھا کہ ایک سوار آ گیا اور کھال کو دیکھ کر جو بہت رنگین اور حسین تھی پھسل پڑا۔ شکاری سے کھال مانگی اور انکار پر تکرار بڑھی۔ نوبت جنگ تک پہنچ گئی۔ سوار نے ایک ہاتھ تلوار کا ایسا مارا کہ شکاری کا سَر تن سے جُدا ہو گیا۔ کھال اُٹھا کر روانہ ہوا، لیکن ابھی سو قدم بھی نہ چلا ہو گا کہ گھوڑے کے ٹھوکر کھانے سے گر پڑا اور ایسی بُری طرح سے اوندھا گرا کہ گردن ٹوٹ گئی۔

ٹنڈو آدم

ریحان عارف، ٹنڈو آدم

پاکستان کا شہر ٹنڈو آدم ملک کے دو بڑے شہروں کراچی اور اسلام آباد کے وسط میں واقع ہے۔ یہ شہر بہت قدیم اور خوب صورت ہے۔ ایک روایت کے مطابق یہ شہر گیارہ بھائیوں نے آباد کیا تھا۔ ان بھائیوں نے کئی شہر آباد کیے تھے جن میں سے ایک ٹنڈو آدم ہے۔

گزشتہ پانچ سال کے دوران اس شہر میں بہت ترقیاتی کام ہوئے۔ حال ہی میں صدرِ مملکت نے یہاں کا دورہ کیا۔ شہر کے مسائل کا جائزہ لیا اور عوام سے خطاب کیا۔

ٹنڈو آدم میں اسکولوں کے علاوہ ایک بڑا کالج

اور گرلز کالج بھی ہے۔ خود صدرِ مملکت نے گرلز کالج کے لیے تین لاکھ رُپے کا عطیہ دیا۔ گزشتہ دِنوں صوبائی گورنر صاحب نے بھی ٹنڈو آدم کا دورہ کیا اور شہریوں کو کچھ نئی مراعات عطا کیں۔

ٹنڈو آدم میں تجارتی منڈی، کھیل کے میدان، باغات، بازار اور متعدد کتب خانے ہیں۔ اس کے علاوہ ایک خوب صورت پبلک باغ بھی ہے جہاں لوگ فرصت کے اوقات میں تفریح کے لیے آتے ہیں۔

غرور کا انجام

محمد علی دمکوی، کراچی



احمد اور رحمت دونوں دوست ہونے کے ساتھ ساتھ ہم جماعت طالبِ علم بھی تھے۔ رحمت بڑا مغرور اور خودغرض لڑکا تھا، کیوں کہ اس کا باپ بہت دولت مند شخص تھا، لیکن احمد ایک غریب مزدور باپ کا اکلوتا بیٹا تھا، مگر بے حد ذہین اور پوری جماعت میں پڑھائی میں سب سے تیز لڑکا تھا۔ احمد پابندی سے اسکول جاتا اور رحمت اِدھر اُدھر آوارہ گردی کرتا اور ہوم ورک بھی پابندی سے نہیں کرتا تھا، کیوں کہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اس کی دولت کی بدولت امتحان کے وقت اچھے استاد اسے ٹیوشن پڑھا دیں گے اور وہ آسانی سے پوزیشن لے آئے گا۔ اس کے برعکس احمد پابندی سے ہوم ورک کرکے اپنے اُستاد کو پیش کرتا۔ سب اُستاد احمد سے بہت خوش تھے۔ وہ اپنی جماعت میں کم زور طالبِ علم ساتھیوں کی مدد کرکے خوش ہوتا تھا۔

احمد صبح اسکول جاتا اور رات کو ہوم ورک کرتا اور سبق یاد کرتا۔ اب سالانہ امتحان قریب آرہا تھا۔ احمد امتحان کی تیاری کے لیے دن رات محنت سے پڑھائی کرتا تھا۔ دوسری طرف رحمت سالانہ امتحان کی تیاری کے لیے بہترین استاد سے پڑھ رہا تھا، لیکن اس کی عادت خراب تھی لہٰذا وہ عادت کے مطابق استاد کا دیا ہوا سبق یاد نہیں کرتا، حتیٰ کہ امتحان سر پر آگیا اور وہ فقط چند سوال یاد کرسکا۔ اس پر بھی یہ غرور کہ پوزیشن تو میری ہی آئے گی، کیوں کہ مجھے ایک بہترین ماسٹر پڑھا رہے ہیں اور اکثر احمد کے پاس آکر اپنی شان جتاتا۔ احمد خاموشی سے اس کی باتیں سُن لیتا۔ جب سالانہ امتحان آئے اور امتحانی پرچہ رحمت کے سامنے آیا تو وہ بہت پریشان ہوا، کیوں کہ اس نے ٹیوشن پڑھنے کے باوجود محنت نہیں کی تھی، لیکن احمد نے نہایت آسانی سے تمام پرچے حل کیے۔

چند روز بعد جب نتیجہ آیا تو احمد کی پہلی پوزیشن آئی اور رحمت بُری طرح فیل ہوگیا۔ اب وہ احمد اور اپنی جماعت کے استادوں اور ساتھیوں کے سامنے سخت شرمندہ تھا اور اپنے غرور، تکبّر اور وقت ضائع کرنے پر افسوس کر رہا تھا۔

اپریل فول

راشد طفیل جاٹ، جامشورو کالونی

اپریل کی پہلی تاریخ تھی۔ رات کے آٹھ بجے تھے۔

میں اپنے کمرے میں امتحان کی تیاری کر رہا تھا کہ ٹیلے فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے فون سُنا۔ دوسری طرف سے ہمارے استاد حنیف صاحب فرما رہے تھے "راشد کل آپ کی چھٹی ہے، کیوں کہ امتحانات کی تاریخ میں اضافہ ہو گیا ہے۔"

میں نے کہا، "جی بہت بہتر"، اور فون سننے کے بعد کھانے کی میز پر چلا گیا۔ گھر والوں کو بتلایا تو سب نے رائے دی کہ تم کل اسکول جانا اور امتحان کی تاریخ معلوم کر کے آنا۔ دوسرے دن میں اسکول گیا تو سخت تعجب ہوا، کیوں کہ طلبہ جماعتوں میں موجود تھے اور پرچہ شروع ہونے کی گھنٹی بج رہی تھی۔ میں نے پرچہ دیا اور سوچتا ہوا اسکول سے باہر آرہا تھا کہ حنیف صاحب نے یہ مذاق کیوں کیا؟ اچانک غلام نبی اور طارق راجپوت ہنستے ہوئے سامنے آئے۔ اب میں تمام معاملہ سمجھ گیا۔ میں نے غصّے سے پوچھا، "یہ کیا مذاق ہے؟" دونوں نے ہنستے ہوئے جواب دیا، "اپریل فول۔"

یہ سُن کر مجھے بھی ہنسی آگئی۔ میں نے گھر جا کر تمام واقعہ بتلایا تو سب ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہماری رائے نے تمھیں فیل ہونے اور فول ہونے سے بچالیا۔ میں سوچنے لگا کہ ہم انگریزوں کی نقل میں اپریل فول منا کر کتنا خطرناک کھیل کھیلتے ہیں۔

مسلمان سائنس داں

ثروت سلطانہ، کراچی

اہلِ یورپ کہتے ہیں کہ سائنس کی تمام ترقی میں صرف ان کا حصّہ ہے، لیکن یہ اعتراف بھی کرتے ہیں کہ یورپ کے تاریک دَور میں قرونِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے سائنسی میدان میں بہت کام کیے ہیں۔ اہلِ یورپ سائنس کی ابتدا پندرھویں صدی میں یورپ کی نشاۃ ثانیہ سے شمار کرتے ہیں۔ حال آنکہ یہ بالکل غلط ہے، بلکہ سائنسی دَور کی ابتدا نشاۃ ثانیہ سے قبل مسلمانوں نے کی تھی۔

مسلمانوں نے پہلی صدی ہجری سے سائنس کی طرف توجہ دی۔

ابوہاشم خالد کا تعلق خاندان بنو امیّہ سے تھا۔ انھوں نے علمِ کیمیا کی ابتدا کی اور ان کے شاگرد جابر بن حیّان کو فنِ کیمیا کا بانی کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے انھی نے اس علم میں مہارت حاصل کی تھی۔

بوعلی سینا نے ننانوے کتابیں تصنیف کیں، جن میں سولہ کتب صرف طب پر ہیں۔ علمِ طب میں شیخ الرئیس بوعلی سینا کی تصانیف "القانون" اور "شفا" کی عظمت کا اندازہ یوں لگا سکتے ہیں کہ یورپ کے تمام مڈیکل کالجوں میں یہ کتابیں آٹھ صدیوں تک متواتر پڑھائی جاتی رہیں۔

نویں اور دسویں صدی میں محمد بن موسیٰ خوارزمی نے جو کہ ریاضی داں تھے گنتی کا رسم الخط ایجاد کیا۔ اور الجبرا جس پر کہ ریاضی کا دارومدار ہے اس کا علم بھی معلوم کیا۔ اہلِ یورپ نے ریاضی میں جتنا کچھ بھی سیکھا موسیٰ بن خوارزمی کی کتاب الجبرا والمقابلہ سے سیکھا۔

عظیم سائنس داں ابوعلی حسن بن حسین ابن الہیثم

کی کتاب المناظر" طبیعیات کی ایک مشہور شاخ "روشنی" پر دنیا کی پہلی جامع کتاب ہے۔ ابن الہیثم کو بجا طور پر بابائے بصریات کہا جاتا ہے۔ ابن الہیثم کا ہزار سالہ جشن ہمدرد فاؤنڈیشن نے ۱۹۶۹ء میں منایا تھا۔

تیسری صدی کے وسط میں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے ہاتھوں مسلمانوں پر جو تباہی آئی اس کے بعد سائنس کی تحقیقات اور ترقی کے امکانات بالکل ختم ہو گئے۔ مسلمان تباہ و برباد ہو گئے، تجربہ گاہیں اور رصدگاہیں نذرِ آتش ہو گئیں۔ جو مسلمان بچے تھے ان میں سکت نہ تھی۔ ان کی صلاحیتیں مفلوج ہو گئی تھیں اور وہ علمی، تحقیقی اور تخلیقی کام کے قابل نہیں رہے تھے، لیکن اہلِ یورپ ان سب باتوں سے محفوظ تھے اور انھوں نے مسلمانوں کی سائنسی تصانیف کا مطالعہ شروع کر دیا تھا۔ ان کا شوق بڑھتا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہلِ یورپ آگے بڑھتے گئے اور مسلمان جنھوں نے سائنس کی ابتدا کی تھی ان کی ترقی رُک گئی۔

پندرھویں صدی سے یورپ میں سائنسی دور کا دوبارہ آغاز ہوا جو اب تک قائم ہے۔

میں تتلی ہوں

زیڈ۔ ایس۔ چمن پسنوی

تتلی ہوں میں پیاری پیاری
پھرتی ہوں میں کیاری کیاری
باغوں میں کرتی ہوں بسیرا
خوش بُو دار بدن ہے میرا
رہتی ہوں پھولوں سے مل کر
جان فدا کرتی ہوں اُن پر
پھولوں کی ہوں میں دیوانی
سُن لے تُو بھی رات کی رانی
گلشن گلشن راج ہے میرا
رنگ برنگا تاج ہے میرا
ہے باغوں کی روح چنبیلی
وہ میری ہے خاص سہیلی

گڑیا کا راز

نزہت فاطمہ، کراچی

موسم بڑا خوش گوار تھا۔ انسپکٹر ارشد جہاز کے عرشے پر کھڑے سمندر کی موجوں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سرکاری کام سے بحرین گئے تھے اور ایک ماہ بعد واپس آ رہے تھے۔ انسپکٹر ارشد سے کچھ فاصلے پر ایک چھوٹی سی بچّی اپنی ماں کے ساتھ کھڑی تھی۔ بچی کے ہاتھ میں ایک گڑیا تھی۔ اچانک جہاز کو جھٹکا لگا اور وہ تھوڑا سا ایک طرف جھک گیا۔ ماں نے اپنے آپ کو سنبھالا، مگر بچّی جنگلے سے ٹکرا گئی اور گڑیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گری۔ اگر انسپکٹر ارشد دوڑ کر گڑیا نہ پکڑ لیتا تو وہ سمندر میں گر جاتی۔ انسپکٹر نے محسوس کیا کہ گڑیا تھامتے ہی بچّی کی ماں کا چہرہ فق ہو گیا۔ اس نے یہ بھی محسوس کر لیا کہ گڑیا اپنے وزن سے بھاری ہے۔ بچّی کی ماں نے بچّی سے

گڑیا چھینی اور اسے ڈانٹتے ہوئے بولی، "میں نے کہا تھا نا کہ اس کو مجھے دے دو" اور یہ کہہ کر وہ دوسری طرف چلی گئی۔ انسپکٹر کی نگاہیں اس خاتون کا پیچھا کر رہی تھیں۔

ایک گھنٹے بعد جہاز کراچی کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔ انسپکٹر اس کے پیچھے لگا رہا، پھر جب وہ عورت کسٹمز آفیسر کے سامنے اپنا سامان چیک کرانے لگی تو انسپکٹر نے آفیسر کو ایک خاص اشارہ کیا۔ آفیسر سمجھ گیا۔ اس نے عورت سے کہا کہ بچّی کے ہاتھ میں جو گڑیا ہے اس کا معائنہ بھی کرائیے۔ عورت نے جواب دیا یہ تو میری بچّی کی گڑیا ہے۔ کسٹم افسر نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور بچّی کے ہاتھ سے گڑیا چھین لی۔ گڑیا چھنتے ہی بچّی رونے لگی، لیکن کسٹم افسر نے اس کے رونے پر کوئی توجہ نہیں دی اور گڑیا کا پیٹ چاک کر دیا۔ پیٹ کے اندر سے ایک تھیلی برآمد ہوئی جس میں بہت سے بیش قیمت ہیرے تھے۔ کسٹم کے عملے نے خاتون کو حراست میں لے لیا۔ عورت کے انکشاف پر معلوم ہوا کہ یہ ہیرے بحرین سے اسمگل کیے گئے تھے اور اس کا تعلق ہیروں کے بین الاقوامی اسمگلروں سے تھا۔ اس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے نام بھی بتائے جنھیں گرفتار کر لیا گیا۔ اس طرح انسپکٹر ارشد کی ذہانت سے اسمگلروں کا ایک خطرناک گروہ گرفتار ہوا۔

استاد کی عزت

رضیہ سلطانہ، ٹنڈو محمد خاں

خلیفہ ہارون الرشید ایک انصاف پسند اور رحم دل بادشاہ تھا۔ خلیفہ کے دو بیٹے تھے۔ امین اور مامون، یہ دونوں ایک بزرگ عالم سے تعلیم حاصل کرتے تھے اور اپنے استاد کا بہت احترام کرتے تھے۔

ایک دن ان کے اُستاد مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور امین مسجد میں موجود تھا۔ امین نے سوچا کہ جب تک اُستاد صاحب نماز پڑھ رہے ہیں میں باہر جا کر ان کے جوتے لے کر کھڑا ہو جاتا ہوں تاکہ جب استاد باہر آئیں تو انھیں پہنا دوں۔ یہ سوچ کر امین باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی مامون پہلے ہی جوتے لیے کھڑا ہے۔ اب یہ دونوں لڑ پڑے۔ ایک بھائی کہتا تھا کہ یہ خدمت میں انجام دوں گا اور دوسرا کہتا تھا نہیں، میں انجام دوں گا۔ ان دونوں میں بحث ہو ہی رہی تھی کہ اُستاد مسجد سے باہر تشریف لائے اور بحث کی وجہ پوچھی۔ ان دونوں نے اُستاد صاحب کو تمام بات بتا دی۔ یہ سُن کر اُستاد نے کہا، "تم دونوں ایک ایک جوتا مجھے پہنا دو۔ اُستاد نے دونوں بھائیوں کے سَر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا اور ان دونوں نے ایک ایک جوتا اُستاد صاحب کے قدموں میں رکھ دیا۔

ہارون کو جب معلوم ہوا تو انھوں نے امین اور مامون کو اُستاد کی عزّت کرنے پر بہت بڑا انعام دیا۔

آواز اخلاق

مجھے کیا خبر تھی

شیخ فیض محمدؒ، موسیٰ زئی شریف

ملکہ وکٹوریا کو غریبوں سے بڑی ہمدردی تھی۔ وہ

اکثر اکیلی ان کے ہاں چلی جایا کرتیں، انھیں تسلی دیتیں ضروریات کے موقع پر رُپے پیسے سے بھی ان کی مدد کرتیں۔ ایک دن اسی طرح وہ شاہی محل سے بہت دُور نکل گئیں۔ اتفاق سے راستے میں بارش شروع ہو گئی۔ ملکہ گھر سے چھتری لے کر نہیں نکلی تھیں، بڑی پریشان ہوئیں سوچنے لگیں، بارش میں گھر کیسے پہنچوں ہماسنے ہی ایک چھوٹا سا مکان نظر آیا۔ ملکہ اس مکان پر پہنچیں اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ اس مکان میں ایک عورت رہتی تھی۔ اس کا نام تھا مسز بلنک۔ یہ عورت بہت بد مزاج اور جھگڑالو تھی۔ اس کی بد مزاجی سے سب عاجز تھے، اس لیے کوئی اس سے ملنے تک نہ جاتا تھا۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا اس کے گھر پہنچ جاتا تو وہ بڑی اُکھاڑی سے پیش آتی۔ اس کا پہلا یہی سوال ہوتا، "کیوں آئے ؟"

ملکہ نے دروازے پر دستک دی تو مسز بلنک اندر سے سخت لہجے میں بولی، "کون ہے ؟ کیوں آئے ؟"

ملکہ نے نرمی سے جواب دیا، "ایک دوست۔"

پھر جب اس عورت نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ ایک عورت نہایت قیمتی پوشاک پہنے کھڑی ہے۔ مسز بلنک بارش میں اپنے دروازے پر ایک امیر عورت کو دیکھ کر حیران ہوئی۔

ملکہ نے مسز بلنک سے کہا، "بارش سے میرے کپڑے بھیگ رہے ہیں اور مجھے جلدی گھر پہنچنا ہے۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے اپنی چھتری دے دیں تو بڑی مہربانی ہو گی۔ گھر پہنچتے ہی واپس بھجوا دوں گی۔"

پہلے تو مسز بلنک یہ سوچ کر کہ کہیں یہ عورت اس بہانے سے میری چھتری اُڑانا نہ چاہتی ہو ٹال مٹول کرنے لگی۔ پھر یہ سوچ کر کہ یہ عورت بڑی باحیثیت معلوم ہوتی ہے، ایسی حرکت نہیں کر سکتی، ایک پھٹی پرانی سی چھتری لے آئی اور بولی، "چھتری تو میرے پاس ایک اچھی بھی ہے، لیکن دوں گی نہیں۔ کیا معلوم تم گھر لے جا کر رکھ ہی لو۔ یہ ایک پرانی چھتری دے رہی ہوں، مگر واپس کر دینا۔ ملکہ نے مسز بلنک کا شکریہ ادا کیا اور چھتری لے کر چلی گئیں۔ کوئی ایک گھنٹے بعد ایک شاہی پیادہ سنہری وردی پہنے مسز بلنک کی چھتری واپس لایا اور ملکہ کی طرف سے شکر گزاری کا پیغام بھی دیا۔

اب مسز بلنک کو معلوم ہوا کہ وہ امیر عورت تو ملکہ وکٹوریا تھیں تو وہ اپنی گستاخی پر بہت شرمندہ ہوئی۔ بار بار افسوس کرتی اور کہتی، "ہائے مجھے کیا خبر تھی۔"

جب کوئی نیکی کرتا ہے

سیدہ نگہت زہرا نقوی، نواب شاہ

"یہ لو بابا پندرہ رُپے اور ہاں اگر اور بھی کچھ ضرورت ہو تو بتا دینا میرا گھر وہ سامنے والا ہے۔" عنبرین نے پندرہ رُپے بڑے میاں کو دیے اور ان کی ڈھیروں دُعائیں لیتی ہنستی کھیلتی گھر چل دی۔ عنبرین اپنے گھر میں سب سے چھوٹی تھی۔ اُس سے بڑے دو بھائی اور تین بہنیں تھیں۔ اس کے علاوہ اس کی امّی ابّو اور نانی جان پر مشتمل ایک کنبہ چھوٹے سے گھر میں قیام پذیر تھا۔

گھر کی آمدنی زیادہ نہ تھی، کیوں کہ کمانے والے صرف اس کے ابّو تھے اور باقی بچّے ابھی تعلیم حاصل کر رہے تھے، مگر اس کے باوجود گھر کا خرچ احتیاط سے چلانے کی وجہ سے گزر بسر ہو رہی تھی۔ عنبرین پڑھنے میں بھی بہت تیز تھی۔ کلاس میں ہمیشہ اوّل آتی تھی۔ اس کے باوجود وہ مغرور نہ ہوئی، جس کی وجہ سے اس کی تمام ٹیچریں اور سہیلیاں اُسے بے انتہا چاہتی تھیں۔

ایک بار اس کے اسکول کی ایک لڑکی زخمی ہو گئی اور اسے خون کی بے انتہا ضرورت تھی۔ اگرچہ اس گروپ کا خون ملنا کوئی مشکل کام نہ تھا، مگر کوئی اس کارِ خیر میں حصّہ لینے پر تیار نظر نہ آتا تھا۔ ایسے میں عنبرین نے بڑھ کر خون کا عطیہ دینے کا اعلان کیا۔ یہ تو خیر ایک معمولی بات تھی۔ وہ تو بڑی سے بڑی خدمت کرنے کے لیے بھی ہر وقت تیار رہتی تھی۔ انھی باتوں کی وجہ سے وہ ہر آدمی کی آنکھ کا تارا تھی۔ اب تو کئی بچّے اسے دیکھ کر نیک بنتے جا رہے تھے۔

وقت گزرتا رہا۔ ایک وقت آیا کہ جب عنبرین کو ڈاکٹری کے لیے باہر جانے کا اسکالرشپ ملا اور وہ آنکھوں میں آنسو لیے اپنے بھائی بہنوں، رشتے داروں اور اپنی کئی سہیلیوں سے رخصت ہو گئی۔

عنبرین کو ملک سے گئے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ اب عنبرین کو ڈاکٹری کی ڈگری ملنے والی تھی کہ اسے اطلاع ملی کہ اس کی والدہ گر گئی ہیں، جس کی وجہ سے انھیں شدید چوٹیں آئیں۔ گاؤں میں کوئی ڈاکٹر نہیں تھا۔

یہ خبر سُن کر عنبرین رو پڑی۔ وہ بہت پریشان ہوئی اور خدا سے دُعا مانگنے لگی۔ خوش قسمتی سے اسے دوسرے روز ہی ڈاکٹری کی سند مل گئی اور وہ پاکستان روانہ ہو گئی۔

وہاں پہنچ کر وہ ائیر پورٹ سے گاؤں پہنچی۔ دروازے پر ہی تھی کہ اس کے کانوں میں لوگوں کے بولنے چالنے کی آوازیں آئیں۔ وہ ڈر گئی۔ آنکھوں میں آنسو آگئے۔ شاید اس کی امّی کو کچھ ہو گیا ہے۔ ہمّت کر کے تیزی سے گھر میں داخل ہوئی۔ دیکھا تو وہاں منظر ہی کچھ اور تھا۔ چارپائی پر اس کی امّی جان لیٹی ہوئی تھیں اور آس پاس کئی لڑکیاں اور عورتیں جمع تھیں۔ جونھی امّی جان نے اسے دیکھا خوشی سے مسکرائیں اور اسے گلے لگا لیا۔ سب اسے ڈاکٹر بننے کی مبارک باد دینے لگے۔ وہ کچھ سمجھ نہ سکی، لیکن اس کی امّی نے بتایا کہ تمھاری بچپن کی سہیلیاں بہت پُرخلوص ثابت ہوئیں۔ انھوں نے تمھارے جانے کے بعد ہمارا ہر طرح خیال رکھا۔ کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی اور جب میں زخمی ہوئی تو فوراً علاج کروایا اور اب میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ سُن کر اس کی خوشیاں لوٹ آئیں۔

دو بھائیوں کی کہانی

محمد احمر شاہین، کراچی

اجمل صاحب ایک دفتر میں کلرک کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ اُن کے دو لڑکے تھے۔ ایک کا نام فیاض اور دوسرے کا نام جبار تھا۔ فیاض اسکول سے آنے کے بعد تمام وقت کھیل کود میں برباد کر دیتا، لیکن

جبار اسکول سے آنے کے بعد کچھ دیر آرام کرتا پھر پڑھائی میں مصروف ہو جاتا۔ یہ دیکھ کر فیاض کو ہنسی آجاتی اور وہ اس کا مذاق اُڑاتا۔

دن گزرتے گئے اور جبار نویں کلاس میں پہنچ گیا۔ وہ سائنس کا طالبِ علم تھا خوب محنت سے پڑھتا رہا۔ اجمل صاحب اپنے بیٹے کا بلند حوصلہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور جبار کی اس لگن میں برابر کے شریک رہے اور پڑھائی میں اس کی مدد اور حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ جب جبار کی عمر اٹھارہ سال کی ہوئی تو اس نے ایف اے کا امتحان دیا اور جب نتیجہ آیا تو وہ بہترین نمبروں سے کامیاب تھا۔ اُسے اجمل صاحب نے مزید پڑھنے کے لیے امریکا بھیج دیا اور وہ وہاں سے ڈاکٹری کی ڈگری حاصل کر کے وطن واپس آیا تو سب بہت خوش ہوئے۔ فیاض نے محنت نہیں کی تھی اور پڑھا نہیں تھا لہٰذا اسے شرمندگی اُٹھانا پڑی، لیکن اجمل صاحب کو جبار کی وجہ سے اطمینان حاصل ہوا کہ ان کا بیٹا اپنی محنت اور لگن سے ڈاکٹر بن گیا۔

ننھا مزدور

حفیظ الرحمن، کراچی



جیسے ہی ہماری وین سگنل پر رُکی ایک گندہ سا میلے کچیلے کپڑے پہنے بچہ جس کے بال بے تحاشا بڑھے ہوئے تھے میرے ساتھ والی کھڑکی کا شیشہ چمکانے لگا۔ جب سب شیشے صاف کر چکا تو میرے آگے اس نے اپنا ننھا مُنّا ہاتھ پھیلا دیا۔ مجھے اس ننھے مزدور پر بے حد ترس آیا جو اس چھوٹی سی عمر میں محنت کر کے رزقِ حلال کما رہا تھا۔ میں نے اس کو اپنے آٹھ رُپے میں سے دو رُپے نکال کر دے دیے جو میں نے نونہال کا خاص نمبر خریدنے کے لیے جمع کیے تھے۔ اس نے خوشی خوشی مجھ سے رُپے لینے کے لیے اپنے ننھے سے ہاتھ آگے بڑھائے اور ابھی رُپے لے بھی نہ سکا تھا کہ سگنل کی زرد بتی جل کر سبز بتی جل اُٹھی، اور دوسری گاڑیوں کے ساتھ ہی ہماری وین بھی ایک جھٹکے سے چل پڑی۔ وہ بے چارہ ہاتھ پھیلائے ہماری وین کے پیچھے بھاگنے لگا۔ میں نے جلدی سے کھڑکی سے ہاتھ نکال کر اس کی طرف دو نوٹ پھینک دیے۔ وہ پلٹ کر نوٹوں کی طرف بھاگا اور جیسے ہی اس نے نوٹ اُٹھائے پیچھے سے آنے والی ایک تیز رفتار بس نے اسے کچل دیا۔ پیچھے سے آنے والے باقی ٹریفک کے بریکوں کی خوف ناک چیخ میں اس کی آخری دل دوز چیخ بھی شامل تھی۔ میں نے دیکھا اس کے ہاتھ میں دونوں رُپے تھے اور ان پر لکھا تھا: "رزقِ حلال عین عبادت ہے۔"

نونہال اپنے مضامین جتنے مختصر اور خوش خط لکھیں گے، اتنی ہی جلدی اُن کا نمبر آئے گا۔ ہر مضمون، کہانی، نظم پر اپنا نام اور پورا پتا لکھنا نہ بھولیے۔ یاد رکھیے صفحے کے صرف ایک طرف لکھیے۔

خط ہی خط

• جب سب گھر والے اکٹھے ہوں اور اپنی اپنی پسندیدہ ہستیوں کا ذکر ہو تو زیادہ بہن بھائی آپ کو اور حکیم محمد سعید صاحب کو اپنا ووٹ دیتے ہیں۔ ہمارا خاندان بڑا مختصر ہے۔ اس چھوٹے سے کنبے میں آپ لوگوں کا جو احترام جو عزت ہے وہ بڑی قابلِ فخر ہے۔ ہمارے گھر ایسی کچھ کتابیں ہیں جن میں حکیم صاحب کی پُر اثر زندگی کی کچھ جھلک آپ کے سفرنامے ہیں اور اب نونہال میں دو مسافر دو ملک جیسی تحریریں پڑھ کر بے حد خوشی ہوتی ہے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ بتا دیں آپ کی کوئی ایسی کتاب جس میں اچھی معلومات ہوں، نام بتا دیں۔ نونہال کا حُسن اور نکھر آیا ہے مگر نقل شدہ تحریریں پڑھ کر خوشی نہیں ہوتی۔ نونہال کی مقبولیت کا راز ایک ماہ کے انتظار میں ہے اسے پندرہ روزہ مت کریں۔ شاہانہ صدیقی، روہڑی

ایک معلوماتی کتاب "چند مشہور طبیب اور سائنس داں" ہے۔

• سرورق انتہائی جاذبِ نظر تھا۔ جاگو جگاؤ ہمیشہ کی طرح منفرد اور نصیحت آموز تھا۔ اس ماہ کی کاوشوں میں فیاضی کی روشن مثال، ایک طوفانی رات میں، مٹر کا دانا بڑا سیانا، دو مسافر دو ملک اور اپنی یادداشت بڑھائیے بے حد پسند آئیں۔ میری بھی یہی خواہش ہے کہ نونہال کو پندرہ روزہ بنا دیا جائے۔ دو مسافر دو ملک کتابی صورت میں کب شائع ہو گی؟ خالد مجید مغل، کراچی

یہ نونہال میں پوری ہو جائے تو کتابی شکل میں بھی آجائے گی۔

• فیاضی کی روشن مثال، ایک طوفانی رات میں سبق آموز کہانیاں تھیں۔ تحفے خوب جا رہے ہیں۔ دو مسافر دو ملک آئے دن نکھرتا جا رہا ہے۔ شمیم اختر، لاوہ

• سرورق اسی طرح بنایا کریں۔ نونہال ادیب اور تحفے روز بہ روز اچھے ہوتے جا رہے ہیں۔ عمر دراز خان خٹک، راجا زاہد حسین، ٹنڈو محمد خان۔

• جاگو جگاؤ اور خیال کے پھول بہت پسند آئے۔ مضمون "اپنی یادداشت بہتر بنائیے" بے حد پسند آیا۔ اب ہمیں یاد کرنے میں بہت آسانی رہے گی۔ رخسانہ تبسم، کراچی

• نظموں میں جناب تنویر پھول کی قائدِ اعظم کا فرمان اور جناب مہروزا اقبال کی کہانی عارف پہ کیا گزری بہت پسند آئیں۔ ہماری زندگی کو بہتر اور اصولی بنانے میں ہمدرد نونہال کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ دو مسافر دو ملک بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس کو جلدی ختم نہ کیجیے گا۔ اصل بات پوچھیں تو یہ رسالہ مجھے پھول کی طرح پیارا لگتا ہے۔ ذاکر علی بلوچ، ابراہیم حیدری

• سرورق بہت خوب صورت تھا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ تحفے بہت پسند آئے۔ نونہال ادیب میں سید ابوالحسنات، کراچی کی کہانی اتفاق میں برکت بالکل نقل شدہ تھی۔ یہ ہماری درسی کتابوں میں سے نوٹ کی گئی ہے۔ لطیفے چٹ پٹے تھے۔ محمد فقیر شاہد، کمالیہ

سید ابوالحسنات! یہ کیا کیا؟

• ہمدرد نونہال مارچ کے شمارے میں صفحہ ۹۵ پر ایک نونہال ادیب عبدالغفار بلوچ ابراہیم کی طرف سے بھیجا ہوا ایک قومی ترانہ چھپا ہے، جو میرے والد محترم جناب محشر بدایونی کی تخلیق ہے۔ یہ ترانہ ______ جاوید اختر اور ساتھیوں کی آواز میں کراچی ٹیلے وژن سے یومِ پاکستان پر ٹیلے کاسٹ کیا گیا تھا۔ یا تو مراسلہ نگار شاعر کا نام لکھنا بھول گیا یا کتابت کے سہو سے شاعر کا نام چھپنا رہ گیا۔ براہِ کرم ہمدرد نونہال کے اگلے شمارے میں آپ اس کی وضاحت چھاپ دیں۔ نسرین خالد، کراچی

ہمیں افسوس ہے، عبدالغفار بلوچ ابراہیم کو جناب محشر بدایونی کا نام لکھنا چاہیے تھا۔ اب ایک سال تک ان کی تحریر نہیں چھپے گی۔

• میری رائے میں آپ نونہال کو مہینے میں دو بار ضرور شائع کریں، کیوں کہ ایک مہینے میں شائع ہونے والا نونہال میں دو تین دن میں پڑھ لیتی ہوں۔ نگہت رسول، راولپنڈی

• اوکاڑہ سے محمد اصغر ندیم نے جو لکھا ہے کہ نونہال پندرہ روزہ کر دیں تو انھوں نے بالکل ٹھیک لکھا ہے اور میرا بھی یہی خیال ہے۔ لانڈھی سے سید محمد علی نے جو نظم روشنی لکھی ہے وہ اردو کی ساتویں کتاب میں بھی موجود ہے۔ محمد حارث ہاشم، حیدرآباد

سید محمد علی! کیا تمھیں یہ بدنامی پسند ہے؟

• نونہال کا معیار پہلے سے بڑھتا جا رہا ہے۔
محمد حبیب صدیقی، نئی کراچی

• اس دفعہ میرزا ادیب کی کہانی "ایک طوفانی رات میں" ایک بہترین کاوش تھی۔ میرزا صاحب کی ہر تحریر ہمارے لیے ایک سبق ہوتی ہے۔ محمد جاوید شفیع، کراچی

• سلسلے وار کہانی "عارف پہ کیا گزری" بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔ کیا آپ ایسی ہی کوئی اور سلسلے وار کہانی نہیں لکھ سکتے؟
وسیم، کراچی

ان شاء اللہ دوسری اس سے بھی اچھی سلسلے وار کہانی شائع کریں گے۔

• نونہال ہمارے سب گھر والے بہت ہی شوق سے پڑھتے ہیں۔ مزے دار لطیفے بہت ہی پسند آئے۔ محمد اکرم، کراچی

• جتنی معلومات ہمیں آپ کے رسالے سے ملتی ہے اتنی معلومات ابھی تک کسی رسالے سے نہیں ملی۔ ارم عنبرین، کراچی

• دو مسافر دو ملک اچھا سلسلہ ہے۔ ایک طوفانی رات میں، تم بہت بہادر ہو اور مٹر کا دانہ بڑا سیانا کہانی بہت پسند آئی۔
رحیم بخش بھٹو، شکارپور

• آپ نے خاص نمبر شائع کر کے ہماری ایک خواہش تو پوری کر دی ہے کیا قلمی دوستی کا کالم بحال کرنے کا ارادہ نہیں۔ "خط ہی خط" کا کالم آپ کا اتنے اچھے جوابات دینے سے بہت اچھا اور موثر ہو گیا ہے۔ محمد ساجد، گجرات

"خط ہی خط" بھی گویا تمھاری ہماری قلمی دوستی ہی ہے۔

• معراج صاحب کا بڑا اچھا تحریر کردہ مضمون تھا غرض سارا رسالہ خوب صورت تھا۔ پڑھنے میں بوریت کا احساس بالکل نہیں ہوا۔
غزالہ منیر شیخ، لاڑکانہ

• فروری کا خوب صورت نونہال ماشاء اللہ دل کی آرزوؤں پر پورا اُترا۔ پورا رسالہ موتی تھا موتی، مگر ٹائٹل بالکل پسند نہیں آیا اور لطیفے بھی زیادہ تر آج کل پرانے شائع ہو رہے ہیں۔ باقی رسالہ بے نظیر تھا۔ خاکسار پانچ اقساط کا مضمون (مسلمان تاریخ نویس) ارسال کرے تو کیا رسالے میں جگہ مل سکتی ہے؟
حافظ احمد ولی اللہ ارباب، کراچی

آپ نے اپنا پتا نہیں لکھا، اس لیے جواب ہضم۔

• میں نونہال کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتی ہوں۔ نونہال سب سے دل چسپ، معلوماتی اور مقبول عام رسالہ ہے۔ ہمارے گھر والے بھی نہایت اشتیاق سے یہ رسالہ پڑھتے ہیں۔ ثمینہ ممتاز سحر، مانسہرہ ہزارہ

• آپ نونہال میں لڑکیوں کے لیے بھی ہر مہینے کم از کم ایک صفحہ ضرور شائع کیا کریں۔ لڑکیوں کے لیے کالم میں گھر کے متعلق باتیں ہونی چاہییں مثلاً اگر ایک چیز خراب ہو جائے یا ٹوٹ جائے تو اسے دوبارہ کس طرح استعمال میں لایا جا سکتا ہے اور اسی طرح کی باتیں شائع کریں جن کا تعلق گھریلو کاموں سے ہو۔ شازیہ چوہدری، اسلام آباد

• فروری کا ماہ نامہ نونہال پڑھا بہت پسند آیا۔ خاص طور پر "جاگو جگاؤ، فیاضی کی روشن مثال، ایک طوفانی رات میں" غلام محی الدین نظر کی نظم "کسان"، معراج صاحب کی کہانی مٹر کا دانہ بڑا سیانا اور دو مسافر دو ملک بہت ہی پسند آئیں۔ نونہال ادیب میں غلام احمد نے نظم "چھوٹی بچی" اردو کی چوتھی کتاب سے نقل کی ہے۔ سلیم خان، کراچی

غلام احمد نے اپنا نقصان کیا۔ نونہالوں کی کیا رائے ہے اگر نقل کرنے والوں کو ہمیشہ کے لیے شائع کرنا بند کر دیا جائے

• ہنستا مسکراتا اور پھول جیسا خوب صورت ہمدرد نونہال جلد مل گیا۔ ٹائٹل بہت ہی عمدہ تھا۔ ورق اُلٹتے ہی جاگو جگاؤ پر نظر پڑی جو پڑھے بغیر نہ رہ سکا۔ اس کے بعد خیال کے پھول بھی بہت پسند آیا۔ غرض سارا نونہال بہت پسند آیا۔
محمد اشفاق ناصر مغازی، ہملٹ

• یہ شمارہ ہر لحاظ سے خوب صورت ہے۔ جاگو جگاؤ اور دو مسافر دو ملک نونہال کی جان ہیں۔ عارف پہ کیا گزری نہایت خوب صورت سلسلہ ہے۔ بہرکیف نونہال ستاروں کے بیچ میں چمکتا ہوا چاند ہے اور ہر کوئی اس چاند کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ بشریٰ واسع، کراچی

● مارچ کے ہمدرد نونہال میں کچھ کہانیوں کی تصاویر جناب مشتاق نے بھی بنائی تھیں۔ مشتاق صاحب کارٹون تو بہت اچھے بناتے ہیں، لیکن ان کی بنائی ہوئی تصویریں کہانیوں میں اچھی نہیں لگتیں۔ کہانیوں کے لیے تصویریں کسی اور آرٹسٹ سے بنوایا کریں۔

آفتاب عالم قریشی، حیدرآباد

● جنوری فروری کے شمارے پڑھ کر بہت خوشی ہوئی۔ مجموعی طور پر دونوں رسالے بہت اچھے تھے۔ ایک بات ذرا ٹھیک نہیں لگی کہ نیا سال شروع ہوا تو آپ نے بزم نونہال کا نام "خط ہی خط" کر دیا۔ یہ نام بزم نونہال سے اچھا نہیں ہے۔ بزم نونہال سے یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیسے ہر ماہ ہم نونہال بہن بھائیوں کا اجتماع ہوتا ہو اور ہمارے بہن بھائیوں کے خیالات ہم تک پہنچتے ہوں۔ میں اپنے بھائی کی تصویر بھیج رہی ہوں۔ آپ کے پاس کان کی دوا پہنچ گئی یا نہیں؟ ذرا شعبدے کا مطلب تو بتا دیجیے۔

کشور سعید لودھی، نواب شاہ

> آپ نے کئی باتیں لکھ ڈالیں (۱) صحت مند نونہال میں دس سال تک کے معصوم بچوں کی تصویریں دی جاتی ہیں، اس لیے بھائی کی تصویر جگہ نہ پاسکے گی۔ (۲) کان کی دوا کیسی؟ کس کی؟ کیوں؟ (۳) شعبدے کے معنی ہیں وہ بازی یا کھیل جو جادو یا چالاکی سے دکھایا جائے۔ دھوکے یا فریب کے معنی بھی آتے ہیں۔

● اس بار خط لکھنے کی صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ اب نونہال ادیب میں ایسی نعتیں شائع کی جا رہی ہیں جو کہ درسی کتابوں میں ہوتی ہیں اور پھر اصلی شاعر کا نام بھی نہیں بتایا جاتا۔ برائے مہربانی ایسا تو نہ کریں۔

فرناز اختر، کراچی

> آپ ہی اس کا کوئی طریقہ بتائیے۔

● آپ سے درخواست ہے کہ آپ دعا فرمائیں کہ میں میٹرک کے امتحان میں اچھے نمبروں سے کامیابی و کامرانی کا منہ دیکھوں۔

حفیظ الرحمٰن شیخ، روہڑی

> حفیظ میاں! اللہ نے چاہا تو تمھاری محنت بے کار نہیں جائے گی۔

● فروری کا نونہال سب گھر والوں کو بے حد پسند آیا۔ سرورق بھی بہترین تھا۔

شہناز فاطمہ نقوی، کراچی

● فروری کا شمارہ ہمیشہ کی طرح اچھا تھا اور کہانیاں لاجواب تھیں میں نونہال اتنے شوق سے پڑھتی ہوں کہ پورا مہینہ اس کے انتظار میں گزرتا ہے۔ میں کتنی چیزیں آپ تک بھیج چکی ہوں، لیکن میری ایک چیز بھی نہیں چھپی۔ کیا آپ کو ہم سے دشمنی ہے۔ اگر آپ نے میری چیزیں نہ چھاپیں تو میں خریدنا کیا لکھنا بھی چھوڑ دوں گی۔

نسیمہ علی، کراچی

> نسیمہ! غصہ تھوک دو اور محنت کیے جاؤ۔

● اس نونہال کے لیے میں کچھ تجاویز دے رہی ہوں۔ (۱) ہر ماہ سائنسی مضمون ضرور ہونا چاہیے۔ (۲) سائنس دانوں کی زندگی کے حالات، مشاہدات، تجربے اور ایجادوں پر مشتمل ایک مضمون ضرور ہونا چاہیے۔ (۳) لڑکیوں کا ایک صفحہ مقرر کر دیں اور اس میں لڑکیوں کی بنائی ہوئی تصویریں اور دوسری چیزیں اور ان پر بنائے ہوئے پھول، پرندے وغیرہ شائع کریں۔ (۴) کہانیوں کا معیار گرتا جا رہا ہے مہربانی کر کے اس پر توجہ دیں۔ (۵) نظموں کی تعداد بھی بڑھا دیں۔ (۶) نونہال ادیب کے صفحات بڑھا دیں۔

رضیہ سلطانہ شاہ، ٹنڈو محمد خاں

● اس دفعہ جاگو جگاؤ میں حکیم محمد سعید صاحب نے ہمیں نہایت قیمتی مشورے سے نوازا۔ اس دفعہ محترم مسعود احمد برکاتی صاحب کی پہلی بات سے محروم رہے۔ تحفے پہلے کی طرح خوب صورت تھے۔ کہانی مٹر کا دانہ بڑا سیانا کانہ سرہانہ پاؤں۔ ایک بور کر دینے والی کہانی تھی۔ جناب مہر وفا اقبال کی کہانی عارف پہ کیا گزری بھی ایک ہی دائرے میں چکر لگا رہی ہے۔ کیا ادارہ اس دفعہ بھی نونہال کا خاص نمبر شائع کرے گا؟ ان شاء اللہ یہ شہرِ علم یعنی مدینۃ الحکمت لندن کے شیلڈونین تھیٹر اور اوکسفرڈ یونی ورسٹی سے بھی بڑھ چڑھ کر ہوگا۔

محمد عامر خان، شاہ پور چاکر

> ان شاء اللہ خاص نمبر ضرور شائع ہوگا۔

● مجھے یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ مدینۃ الحکمت کا اتنا بڑا منصوبہ بنایا ہے اور سنگِ بنیاد کی اس رسم کو توڑا اور ہر بڑے فلسفی، شاعر، پروفیسر، سائنس داں، قانون داں، ادیب و صحافی اور دوسری قابل شخصیتوں نے مل کر سنگِ بنیاد رکھا۔ یہ ایک اچھا

طریقہ ہے۔

عبدالفرید چندریگر، حیدرآباد

● جاگو جگاؤ میں جناب حکیم محمد سعید نے بہت اچھے مشورے دیے۔ کہانیوں میں مٹر کا دانہ بڑا سیانا بہت پسند آئی۔ آپ نے بزمِ نونہال جیسا منفرد نام ہٹا کر "خط ہی خط" جیسا عام نام کیوں رکھا۔ ہمیں آپ کی یہ تبدیلی پسند نہ آئی۔

سمیرہ نوین، حمیرا گوہر، ملیر کالونی

ہم نے صرف تبدیلی کے خیال سے عنوان بدلا تھا، مگر کئی نونہالوں کو نیا عنوان پسند نہیں آیا، لہٰذا آیندہ سے "بزمِ نونہال" ہی لہے گا۔

● جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ بہت پسند آیا اور جناب حکیم محمد سعید نے جو مدینۃ الحکمت کی بنیاد رکھی۔ میں اس کے لیے ان کو مبارک باد دیتا ہوں۔ دو مسافر دو ملک کی کتنی قسطیں باقی ہیں تاکہ یہ پتا چل جائے کہ یہ کتابی صورت میں شائع ہوگا کہ نہیں۔ خیال کے پھول اس دفعہ بہت پسند آئے اور لطیفے بھی اچھے تھے۔

عمر فاروق، کراچی

● کہانی "تم بہت بہادر ہو" راشد کے والد کا نام صفحہ ۳۲ پر شاداب خان صاحب لکھا ہے۔ اسی صفحے کی تیرھویں سطر دیکھیں تو وہاں راشد کے والد کا نام صادق صاحب ہے اور اگلے صفحے پر بھی راشد کے ابّو صادق خان لکھا ہے۔

اختر علی ماچھی، لاہور

راشد کے والد کا نام صادق ہے۔ شروع میں شاداب خاں غلط چھپ گیا۔

● میں نے آپ کو ایک تجویز بسلسلہ کھلاڑیوں کے انٹرویو کے بارے میں دی تھی۔ ہمدرد نونہال دن دگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ ہر سلسلہ اپنی مثال آپ رکھتا ہے۔ جاگو جگاؤ ہمارا پسندیدہ کالم ہے۔ اس کالم میں جناب حکیم محمد سعید صاحب ہمیں بہت ہی اچھے طریقے سے نصیحت کرتے ہیں۔

تحسین وصی فاروقی، نواب شاہ

کھلاڑیوں کے بارے میں فیچر شروع کیا جا رہا ہے۔

● میں تقریباً چھے سال سے نونہال کو باقاعدگی سے پڑھتی ہوں اور کچھ نہ کچھ بھیجتی رہتی ہوں۔ جنوری ۸۲ء کو میں نے ایک نظم "روشنی کے عَلَم" بھیجی اور شاعر کا نام نہیں لکھا، یہ میری غلطی تھی۔ پھر مارچ میں میرے بہت سے ساتھیوں نے شکایت کی اور میں نے ایک سال تک سزا جھیلی اور میری کوئی تحریر نہیں چھپی۔ اب یہی نظم فروری ۸۴ء کو لانڈھی سے سید محمد علی نے بھیجی اور شاعر کا نام نہیں لکھا اور عنوان روشنی کے عَلَم کے بجائے روشنی کر دیا۔ کیا اب میری تحریر چھپ سکے گی۔

سیدہ منتہا رفیق، کیماڑی

ہاں، اب تمھیں غلطی کا احساس ہو گیا ہے، اب جو تمھاری اپنی لکھی ہوئی تحریر ہوگی وہ چھپ سکے گی۔

● اپنی یاد داشت بہتر بنائیے بہت اچھا تھا۔ ہمارے گھر والے وہم کو بہت مانتے ہیں۔ جس طرح کہ کالی بلّی نظر آگئی تو کہیں گے کہ کچھ ہونے والا ہے۔ اب تو میں بھی اس بات کا شکار ہو گیا ہوں اور بہت سے پاکستانی اس بات کا شکار ہیں۔ ہم کو آپ یہ بتائیے کہ وہم کرنا اچھی بات ہے یا نہیں۔ کیا یہ سب وہم ہے یا واقعی ایسا ہوتا ہے۔

اظہر علی، کراچی

میاں! تم تو خود سمجھ دار ہو۔ یہ سب وہم ہے اور وہم اچھی بات نہیں ہے۔ وہم کی کوئی اصلیت نہیں ہوتی۔

● یہ پڑھ کر بے حد خوشی ہوئی کہ "مدینۃ الحکمت" کا سنگِ بنیاد رکھ دیا گیا۔ میری اور میرے والدین اور میرے بہن بھائیوں کی جانب سے جناب محترم حکیم محمد سعید کو بے حد مبارک باد قبول ہو۔

ظہیر حسن، لاہور

● سب سے پہلے رسالے میں جاگو جگاؤ (جناب حکیم محمد سعید) پڑھا۔ فیاضی کی روشن مثال، ایک طوفانی رات میں (جناب میرزا ادیب) لوئی بریل۔ اندھوں کو روشنی دینے والا (ڈاکٹر سہیل برکاتی) اور بارش کا پہلا قطرہ (اسماعیل میرٹھی) تحفے، قاتل کا سراغ، کسان، تم بہت بہادر ہو (رڈیارڈ کپلنگ) مٹر کا دانہ بڑا سیانا (جناب معراج) اور دو مسافر دو ملک (مسعود احمد برکاتی) کا سلسلے وار مضمون اور عارف پہ کیا گزری (جناب مہروز اقبال) بہت پسند آئیں۔ اور جاگو جگاؤ کتاب چھپ چکی ہے تو اطلاع فرمائیں۔ صحت مند نونہال میں اگر تصویر بھیجی جائے تو کیا آپ شائع کر دیں گے اور تصویر کو واپس بھیج دیں گے؟

رانا جمیل احمد انجم، رانا عارف، گجرات

جاگو جگاؤ ابھی نہیں چھپی۔ تصویر شائع کرنے کے بعد واپس نہیں کی جاتی۔

● کہانیاں اچھی تھیں اور نظموں میں سب سے اچھی نظم بارش کا قطرہ تھی۔ اس دفعہ کے نونہال ادیب میں فاخرہ منیر نرجس کا مضمون "علم کے موتی" نقل شدہ ہے اور مزے کی بات یہ ہے کہ انھوں نے یہ حکیم محمد سعید صاحب کی کتاب جاگو جگاؤ سے نقل کیا ہے۔

زرقا پر یوش

فاخرہ منیر نرجس نے واقعی کمال دکھایا۔ ایک سال کی بندش۔

● فروری کا تمام نونہال اچھا تھا۔ خصوصاً عارف پہ کیا گزری؟ تم بہت بہادر ہو بہت پسند آئی۔ دسمبر کے نونہال میں ہم بہن بھائیوں نے مشترک طور پر سوال و جواب بھیجے۔ ہمارے دس کے دس سوال صحیح تھے، لیکن تصویر تو کیا نام تک شائع نہیں ہوا۔

راشد منصور عالم۔ نئی کراچی

آپ کے صحیح جوابات ہمیں مل جاتے تو آپ کے نام ضرور شائع کیے جاتے۔

● فروری کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ دو مسافر دو ملک جاری رکھیے۔ میں جب اس سفرنامے کو پڑھتا ہوں تو اپنے آپ کو محترم حکیم محمد سعید کے ہمراہ محو سفر پاتا ہوں۔

موسیٰ خان راحیل، کراچی

ان نونہالوں کے نام جنھوں نے ہمیں بہت اچھے اچھے خط لکھے، لیکن جگہ کی کمی کے باعث اُن کے صرف نام دیے جا رہے ہیں۔

کراچی:۔ سید جاوید انور رضوی، سید محمد احمر، فیصل ملک سلیم، محمد شرف تھانوی، محمد سلیم بسمل، ایس ایم عالم، شمیم ریاض، شہباز احمد ہاشمی، محمد عرفان، محمد آصف صدیق، رخسانہ مطلوب، محمد سفیان ناصر، محمد ندیم بیگ، آسیہ طاہر، ارشد حسین گھانچی، عاشق حسین، علی رضا خاں، سیف الدین کامران، ناہید فاروق، سید راشد علی منہاس، عبد الرزاق اسمٰعیل کھتری، ابراہیم محمد عربی، ظفر محمود، ارشد نصیر، اختر محمود اعجاز، محمد آصف ذکریا، راحت صلاح الدین، سید آفاق عالم، ثناء اللہ بسمل، ساجد محمود، جاوید اقبال، عبد المجید صابر، ثروت رحمٰن، محمد اقبال احمد انصاری، محمد فاروق محمد ابراہیم، محمد عارف، مروارید فاطمہ، محمد فرید بسمل، محمد ایاز انصاری، فائزہ نسیم اختر، راحت الیاس، وزیر شاہ، آصف علی رانا، شازیہ فاروق، بلال فیروز، سلمہ عمران، محمد مکرم تھانوی، فہمیدہ کلثوم، سید ندیم شوکت، اختر شیرین، مسعود علی، علی محمد، نسیمہ علی قریشی، ایاز احمد سلطانی، عارف عباس، کامران حفیظ علوی، ارشد جہانگیر عزیز، نسیم اختر، سید مبین الحسن، یوسف شمیم، مشتاق رحمت اللہ، نور محمد خان، عائشہ ناز، اشتیاق احمد، فوزیہ، کرن، کاشان، شبینہ، عوض خیر احمد افضال، محمد حبیب الحسن، انیلا بانو، اسما رحیم، سید نسیم شوکت اقبال، اشعر کمال پاشا، عبد الرزاق تاج، محمد ایاز ہاشمی، شہناز فاطمہ، پرویز احمد، ماجد فرید، محمد نثار قادری، شیر بہادر، محمد یامین، ارشد حسین، روبی ناز، ریاض محمد بلوچ، ریحان عثمانی، محمد قیصر امام، شازیہ ہاشم، سلیم انور عباسی، علی مرتضیٰ زیدی۔

مقام نامعلوم:۔ احسان ماجد، محمد اسلم یامین شوکت علی رحمانی، شاہد ایوب خان۔

اسلام آباد:۔ رفعت جہاں آرا۔

مکران:۔ عبد اللہ شاد بلوچ۔ چند پنوں عاقل:۔ مشتاق احمد۔ لودھراں:۔ عابدہ عارف۔ سکھر:۔ محمد مشتاق احمد، عبد الحفیظ خان، محمد پرویز عالم رضا۔ ہارون آباد:۔ محمد یوسف وٹو۔ نواب شاہ:۔ رالعہ عبد الجبار، افتخار احمد، جاوید ممتاز خانزادہ، حبیب الرحمان سیال اختر، شازمہ کنول۔ کوئٹہ:۔ رحمت اللہ۔ جھنگ:۔ شاہد محمود آصف۔ راول پنڈی:۔ کاشف متین انصاری، بشارت محمود۔ پشاور:۔ شازیہ صالح۔ گجرات:۔ سید اعجاز حسین۔ شہداد کوٹ:۔ کنہیا لعل ہمدرد۔ ژوب:۔ نجمہ ثروت انصاری۔ ٹنڈو محمد خان:۔ نذیر احمد اعوان ۔ لاہور:۔ غلام صابر انصاری، اختر علی۔ بہاول نگر:۔ پرنس افضل شاہین، اسلم شاہین۔ میانوالی:۔ ایم ٹی ملک، شہزادہ نور محمد مصطفےٰ، محمد مشتاق احمد۔ سرگودھا:۔ محمد اظہر۔ ٹوبہ ٹیک سنگھ:۔ آر۔ ایم ذوالفقار ضیا۔ جہانیاں:۔ محمد نوید امجد نوید۔ ہری پور ہزارہ:۔ خورشید احمد، صادق زماں۔ بھیرہ:۔ خواجہ انوار احمد۔ حیدرآباد:۔ شاہد حسین قریشی، خزانہ یوسف، رحمہ مجید۔ سکرنڈ:۔ ندیم احمد خانزادہ۔ شادی پلی:۔ ملک محمد اشرف راہی۔ اسلام آباد:۔ نبیلہ عبد اللہ بلوچ، ابر و فاطمہ، سید علی اسد۔ خانیوال:۔ شازیہ نعیم۔ جیکب آباد:۔ ایم یونس تبسم۔ باڈہ:۔ حافظ محمد حنیف۔ چوک طاہر پیر:۔ رئیس رحمت اللہ۔ ڈگری:۔ محمد اسحاق خان۔ مظفر گڑھ:۔ شاہد رسول۔ آزاد کشمیر:۔ ظہور احمد۔ ناڑہ اٹک:۔ محمد صفدر۔ عمر کوٹ سندھ:۔ گلزار گل آرزو۔ احمد پور شرقیہ:۔ ریحان کمال۔ ٹنڈو محمد خان:۔ عبد الجبار قریشی۔ خان پور:۔ رحمت اللہ تبسم۔ مٹھاٹوانہ:۔ رانا خالد بن رفیق۔ شکارپور:۔ شاہد محمود شیخ۔ لاڑکانہ:۔ رالعہ اقبال۔ مظفر گڑھ:۔ خادم حسین۔

معلوماتِ عامّہ ۲۱۴ کے صحیح جوابات

ہمدرد نونہال کی مقبولیت میں جیسے جیسے اضافہ ہوتا جارہا ہے معلوماتِ عامّہ کے جوابات اور تصویریں بھیجنے والوں کی تعداد بھی بڑھتی جارہی ہے۔ ہم سے بعض نونہالوں نے شکایت کی ہے کہ ہماری تصویریں کیوں شائع نہیں کی گئیں، جب کہ ہمارے تمام جوابات درست تھے۔ بات یہ ہے جن کی عمر اچھی ہوگئی ہے یا وہ اپنی عمدہ صحت کی وجہ سے ماشاءاللہ جوان معلوم ہوتے ہیں ان کی تصویریں نونہالوں کے ساتھ کچھ اچھی نہیں معلوم ہوتیں۔ اس لیے ہم ذرا تامل کرتے ہیں۔ ویسے بھی اصل چیز تو نام ہے۔ نام بہت بڑا انعام۔ معلوماتِ عامّہ ۲۱۴ کے صحیح جوابات یہ ہیں۔

۱۔ حضور اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بھائی بہن نہیں تھے، آپؐ اکلوتے تھے۔

۲۔ درخت پر لگا ہوا آم ہم توڑ کر کھائیں گے۔

۳۔ "اگرچہ میں کسی کو فکر شعر کی صلاح نہیں دیا کرتا، لیکن تمہاری نسبت میرا خیال ہے کہ اگر تم شعر نہ کہو گے تو اپنی طبیعت پر سخت ظلم کرو گے۔" غالب نے یہ بات خواجہ الطاف حسین حالی کے بارے میں کہی تھی۔

۴۔ عیسوی کیلنڈر میں تیس دن کے چار مہینے ہوتے ہیں، یعنی اپریل، جون، ستمبر، نومبر۔

۵۔ "لب" میں تین حروف ملانے سے ملک لبنان کا نام بن جاتا ہے۔

۶۔ کرکٹ کے کھیل میں جب آٹھواں کھلاڑی بیٹنگ کرنے جارہا ہو تو چھے کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہوں گے۔

۷۔ پاکستان کی حسین ترین وادی ہنزہ کا مقبول ترین کھیل پولو ہے۔

۸۔ اپریل وہ عیسوی مہینہ ہے جس کے پہلے اردو کے دو حروف ہٹا دینے سے بڑی سواری ریل بن جاتی ہے۔

۹۔ اٹلس پہاڑ برِّاعظم افریقہ میں ہے۔

۱۰۔ پیلے رنگ میں ذرا سا سرخ رنگ ملانے سے نارنجی رنگ بن جاتا ہے۔

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی
گوہر ولی
نویرا خاں
ٹیپو رضا رضوی
شہناز فاطمہ نقوی
نوشین زہرا
سیدہ منہاز رفیق
ماہ رُخ
سلیم انور عباسی
محمد سہیل
کامران حفیظ علوی
عاصمہ حفیظ علوی
محمد اکرم
شہناز فاطمہ
انجم پروین
محمد سلمان
عثمان اعجاز
شبانہ عزیز
شیراز علی نقوی
شبانہ ایس حیدر
روبی ناز
شبانہ ممتاز
عاشی عبدالکریم
آصف رضا
اعجاز عالم
محمد معاویہ چوہان
فشاں رضوی
تحسین فاطمہ عرشی
گڈو اسد
محمد جاوید نقوی

جیکب آباد
غلام محمد ٹالانی
ایم یونس تبسم
ہدایت علی سید

تربیلا ٹاؤن شپ
رابعہ تحسین یونس
گوہر جمیل

گھلابٹ ٹاؤن شپ
محمد ایوب خان
حق نواز چوہدری
خیرپور میرس
مبشرہ سلطانہ
مسرور حیدر

ضلع کوہاٹ
عبدالوہاب
اختر شیریں

سانگھڑ
عاجز عبدالرحمٰن رند
محمد امین سیف الملوک

مختلف شہروں سے
فرخندہ اظہر، اسلام آباد
افتخار احمد، کوٹری
احمد جبار، شیخوپورہ
شکیل احمد، جمرود
محمد حارث ہاشم، جام شورو

دس صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تصاویر


محمد یاسین گوجر، کراچی


رعنا ریاض، کراچی


طاہر رضا رضوی، کراچی


محمد عمران خان، راولپنڈی


ندیم احمد، کراچی


محمد یوسف راؤ، کراچی


انور ذکا فاروقی، کراچی


مسعود میر خان، خیرپور میرس


شازیہ قادری، کراچی


محمد فیاض، کراچی


ظفر ایوب، کراچی


محمد ظفر عالم، کراچی


انتخاب عالم، کراچی


محمد عارف، کراچی


اشتیاق رحمت اللہ، کراچی


محمد سعید، کراچی


فرید خان، کراچی


اقبال خان، کراچی


شایان سلیم، کراچی


محمد اختر، کراچی


سید حسین عباس، کراچی


سید محمد علی عباس، کراچی


ریاض الحق، کراچی


یاسر نوید، کراچی


محمد رفیق، کراچی


اے نیر، کراچی


ریاض احمد، کراچی


محمد پرویز، کراچی


پرنس فہیم الرحمٰن، کراچی


محمد جاوید، کراچی

آوازِ اخلاق
دیانت داری خود اعتمادی پیدا کرتی ہے



شوکت محمود خٹک، کراچی | سہیل حسن، کراچی | پرویز خان، کراچی | ندیم سرفراز، کراچی

نو صحیح جوابات بھیجنے والوں کے نام

کراچی

محمد محبوب الرحمٰن
مسرت پروین
جمال قادر
ندیم انوار
محمد زماں خاں
سید عمار یاسر زیدی
احمد علی بلوچ
محمد فاروق سورتی
سید زین العابدین زیدی
احمد ندیم خواجہ
راشد منصور عالم
ہما منصور عالم
عظمیٰ منصور عالم
نورین عبدالکریم
نوید رشید احمد
صفیہ عنایت

کاشف عبدالکریم
لبنیٰ
امجد حسین بھٹی
یاسر منصور عالم
کنول شفا
عبدالحمید
نوشابہ انور
عرفان احمد انصاری
شازیہ پروین لودھی
دلعزیزہ صدیقی
محمد منیر احمد
اویس احمد قدوائی
سلمیٰ ارشد
فرزانہ نورین
محمد اجمل خاں
محمد امین
عبدالقادر عبدالشکور

سید مدثر حسین
سید نعیم شاہ رفیقیہ
محمد علی حیدر
محمد انتصار الدین حیدر
ثروت صلاح الدین
محمد ابوظفر علی
مرتضیٰ امیر علی
رشید امیر علی
حفیظ الرحمٰن
ثوبیہ وہاب زبیری
عبدالعمران خاں
سید فخر الحسن زیدی
رعنا نذیر
غلام عباس اکبر علی
حبیب علی اکبر علی
سیف الدین کامران
عبدالحمید اعوان

لبنیٰ جلیل
عرفان القدوس
معین الدین صدیقی
شگفتہ اظہار
شازیہ ناز
فرخ شفیق
شازیہ ہاشم
فوزیہ افضال
سعید حسین رضوی
درخشندہ ریاض

سکھر

شفاء الحسن انصاری
نثار الدین صدیقی
محمد شائق بدر قریشی
تابندہ سحر انصاری
عبدالقدیر زبیری
زاہد زیدی

راشد خاں — حیدر آباد — قرۃ العین خالدی — امتیاز حسین
ٹنڈو آدم — ماہ جبیں قدیر — اسلام آباد — ہری پور ہزارہ
سید مرتضیٰ علی — محمد انور — نعمان فیروز — تبسم شاہین
ریحانہ زیدی — کیڈٹ عامر خاں — ثمینہ یوسف حسین — حاجی احمد سعید
مرزا قیصر بیگ — رحمہ مجید — سید وسیم علی — **مختلف شہروں سے**
مرزا فیصل بیگ — قمر النساء — سید علی اسد — عاطف عباس، لاہور
عظمیٰ کوثر — نواب شاہ — رعنا یوسف حسین — سرفراز احمد، لاڑکانہ
سید ذیشان اقبال — محسن رجب علی — محمد سلیم خیر الدین — جاوید ارشد انصاری، بہاول نگر
اشرف حسین انصاری — جاوید ممتاز خان زادہ — خیر پور میرس — حفیظ الرحمٰن شیخ، روہڑی
مظہر اقبال، گوجر خان — اقبال خالدی — خورشید بانو انصاری — شہزاد احمد، نئی کراچی

نونہال ادیب کے لیے جو نونہال مضامین اور کہانیاں بھیجتے ہیں اُنھیں چاہیے کہ مضمون یا کہانی مختصر لکھیں تاکہ جلد شائع ہو سکے۔ کوئی بھی تحریر صفحے کے ایک طرف حاشیہ اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور آخر میں اپنا نام اور مکمل پتا صاف اور خوشخط لکھیں۔ لفافے پر اپنا پتا لکھنے کے بجائے ہر تحریر کے آخر میں ضرور لکھیے۔ کسی شاعر کی نظم اگر بھیجیں تو شاعر کا نام ضرور لکھیں۔ اپنے نام سے ہرگز نہ بھیجیں۔ اسی طرح ترجمہ کی ہوئی کہانیوں میں مصنف اور کتاب کا حوالہ ضرور دیں۔

اہم موقعوں کی مناسبت سے لکھے جانے والے مضامین تین ماہ پہلے روانہ کریں۔ تاریخ، شخصیات، تحقیق، سائنس اور اہم واقعات پر لکھے گئے مضامین بھیجتے وقت ان کتابوں کا حوالہ ضرور دیں جن کی مدد سے آپ نے مضمون تیار کیا۔ ایسے مضامین لکھتے وقت آپ مختلف کتابوں سے تحقیق کر لیا کریں تاکہ تاریخ اور واقعات میں اختلاف نہ ہو۔ بالخصوص مذہبی مضامین میں یہ احتیاط بہت ضروری ہے۔ دراصل ہماری پوری کوشش ہوتی ہے کہ نونہال کے قارئین کو بالکل صحیح معلومات فراہم ہوں۔

نقل شدہ مضامین، کہانیاں اور نظمیں کثرت سے موصول ہو رہی ہیں۔ یہ اخلاقی خوبی نہیں ہے۔ ان نونہالوں کو جو دوسروں کی تحریریں اپنے نام سے بھیجتے ہیں دوسرے نونہال اچھا نہیں سمجھتے۔ لہٰذا اُن کی شہرت کے بجائے بدنامی ہوتی ہے اور آئندہ اُن کا نام شائع ہونا بند ہو جاتا ہے۔ خود محنت کر کے کچھ لکھیے۔ اس سے آپ کی قابلیت بھی بڑھے گی اور شہرت بھی ہوگی۔

ہمدرد

نونہال

اپریل ۱۹۸۴ء

رجسٹرڈ ایس نمبر ۱۹۰۳